قال عبد الله بن المبارک رحمہ اللہ: اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، لَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ (تدريب الراوي 2/605)

سلسلہ علوم حدیثیہ

# علم التخریج ودراسۃ الاسانید

٤

- علم المصطلح
- علم الجرح والتعدیل
- علم العلل
- علم التخریج ودراسۃ الأسانید
- علم مناہج الأئمۃ

اعداد وترتیب
مولانا ڈاکٹر محمد عمران
شیخ زاید مرکز اسلامی - جامعہ پشاور

قال عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ: الاسناد من الدین، لولا الإسناد
لقال من شاء ما شاء (تدریب الراوی 2/605)

سلسلہ علوم حدیثیہ

# علم التخریج ودراسۃ الاسانید

۴

- علم المصطلح
- علم الجرح والتعدیل
- علم العلل
- علم التخریج ودراسۃ الاسانید ☑
- علم مناہج الائمۃ


اعداد و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد عمران

شیخ زاید مرکز اسلامی - جامعہ پشاور

سلسلۂ علوم حدیثیہ

# علم التخریج ودراسۃ الأسانید

۴


مؤلف : مولانا ڈاکٹر محمد عمران

طبع : اول

سن طباعت : فروری 2021ء / رجب المرجب 1442ھ

پرنٹنگ : الفلاح پرنٹرز ندیم ٹریڈ سنٹر اردو بازار پشاور

ناشر : شیخ زاید مرکز اسلامی - جامعہ پشاور
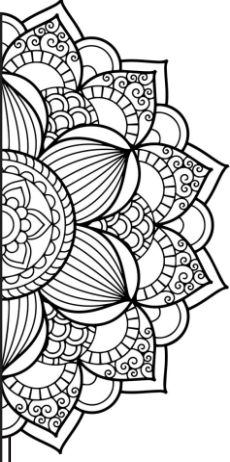
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

اللهم صل على محمد وعلى أزواجه وذريته، كما صليت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد. وبارك على محمد وعلى أزواجه وذريته، كما باركت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد. أما بعد:

## مقدمہ

علوم اسلامیہ کے تمام شعبہ جات میں اس بات کا لزوم وخیال رکھا جاتا ہے کہ نصوص وآراء کو ان کے کہنے والوں کی طرف صحیح اور مستند طریقے سے راجع کرتے ہوئے قابل اعتماد مصادر سے ان کا حوالہ دیا جائے، جب ان علوم فرعیہ میں اس بات کا اہتمام شدومد سے کیا جاتا ہے تو احادیث نبویہ اس بات کی زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی نسبت پیغمبر خدا ﷺ کی طرف صحیح طور سے کی جائے اور اس باب میں عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے مصادر اصلیہ کو تلاش کیا جائے تاکہ ان احادیث کو نبی کریم ﷺ کی طرف حتمی انداز میں منسوب کیا جاسکے، کیونکہ شریعت مطہرہ میں قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوات والتسلیمات کا ہی مرتبہ آتا ہے، اور یہی احادیث ان قرآنی احکام کی توضیح وتفصیل کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ احادیث نبویہ ہی کے ذریعے قرآنی امور کی عملی تطبیق ممکن ہوتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

## تعارف موضوع

ان احادیث نبویہ کو نبی کریم ﷺ کی طرف صحیح طریقہ سے منسوب کرنا اور مصادر اصلیہ سے ان کو تلاش کر کے ان کے طرق و اسانید کی دراسہ کرنا ہی دراصل "علم تخریج" کہلاتا ہے، یہ "علم تخریج اور اسانید کی دراسہ" علوم الحدیث کی اہم ترین مباحث میں شمار ہوتا ہے، یہ در حقیقت ثمرہ و نتیجہ ہے ان مقدمات و اصول کا جن کی بنیاد پر ہم کسی بھی روایت کے بارے میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت مقبول ہے یا مردود جو کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہے یا ان کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

## أہمیت موضوع

احادیث نبویہ میں مشغولیت، اس کی اسانید و متون کی تحقیق و دراسہ اور اس کی دیگر أنواع میں وقت گزارنا مسلمانوں کے نزدیک دیگر تمام مشاغل علمیہ میں سے اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔

علم تخریج در حقیقت علوم حدیث کی متعدّد انواع میں سے ایک اہم نوع ہے جس کا حدیث کی سند و متن سے براہ راست تعلق رہتا ہے، بلکہ سنت کی بہترین خدمت کرنے والے علوم میں اس کا شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ اسی کی بدولت ہمیں اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ کون سی حدیث کتب حدیثیہ میں سے کس کتاب میں کس مقام پر واقع ہے اور اس کی کتنی اسانید کتنے مواقع پر موجود ہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی کسی باحث و محقق سے مخفی نہیں ہے کہ احادیث پر ہی احکام فقہیہ کا دار و مدار ہوتا ہے، کیونکہ اگر قرآنی نصوص کو دیکھا جائے تو اکثریت ان میں سے مجمل وارد ہوئی ہیں جب کہ ان کا بیان و تفصیل سنت نبوی سے ہوتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ"[1]، اسی طرح علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجتہد کے لئے احکام سے متعلق احادیث نبویہ پر عالم ہونا ضروری ہے بلکہ یہ اجتہاد کی بنیادی شرائط میں سے ہے۔

[1] سورۃ النحل: 44۔

علم تخریج کے اہم مباحث میں سے طرقِ تخریج کا بیان، اور ان کے مختلف مناہج پر مطلع ہونا ہے جس کی بدولت کوئی بھی باحث وطالب علم حدیث نبوی کو اس کے مصدر اصلی سے نکالنے پر قادر ہو سکتا ہے، اور اس کے بعد پھر ان احادیث کے بارے میں قبول ورد کے اعتبار سے ان کے احکام پر مطلع ہوتا ہے۔

ابتداءِ تدوین ہی سے تخریج حدیث کے اصول وضوابط علماء ومحدثین اور اس فن کے ماہرین کے واسطے سے بعد کے ادوار کو سینہ در سینہ منتقل ہوتے گئے، یہاں تک کہ اس علم نے باقی علوم حدیث کی طرح اپنا الگ مستقل مقام متعیّن کیا، اور اس کے بارے میں مستقل تصانیف لکھی جانے لگیں، اور مصطلحات حدیث کے علاوہ اس علم کو بھی تالیفی حیثیت سے اہمیت دی جانے لگی۔

صحابہ وتابعین اور ان کے بعد آنے والے متقدمین علماء کو علم تخریج کے اصول وضوابط کی معرفت کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی تھی، کیونکہ انہیں احادیث نبویہ کی اسانید ومتون زبانی یاد ہوتی تھیں، جب کہ انہیں احادیث کے مصادر پر بھی عبور حاصل ہوتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ان کا زمانہ چونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے قریب تر بھی تھا تو اس بناء پر انہیں اس علم کے قواعد وضوابط پر مطلع ہونے کی اشد ضرورت نہ تھی، جب بھی انہیں کسی حدیث سے استشہاد کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے حافظہ سے حدیث پیش کر دیتے، بہت زیادہ ضرورت ہوتی تو وہ کتب حدیثیہ میں سے کسی کتاب کی طرف اس حدیث کے موجود ہونے کا اشارہ کر دیتے، جب کہ انہیں اس حدیث کے مختلف طرق واسانید کا بخوبی علم ہوتا تھا جس کی بناء پر وہ اس حدیث کے تمام اختلافات کو ذاتی طور پر جانتے ہوتے تھے، گویا کہ احادیث نبویہ ان کے لئے قرآن کریم کی جیسی حیثیت رکھتی تھیں، جیسا کہ کسی قرآنی آیت کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کی سورت اور آیت نمبر بلا تردد بیان کر دی جاتی ہے اسی طرح احادیث کو بھی وہ بیان کرتے تھے۔

تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا جیسے قرآن کریم سے بُعد بڑھتا گیا جس کے نتیجے میں ان کے لئے اس بات کی مشکل پیدا ہوتی گئی کہ وہ قرآن کریم کی کسی آیت کو تلاش کر سکیں جس کی بناء پر علماء نے قرآن کریم کے لئے معاجم ترتیب دیں، تاکہ وقت اور مشقت سے بچتے ہوئے کسی بھی آیت کی

طرف فوراً سے پیشتر پہنچا جا سکے، اسی طرح جب لوگوں کی ہمتیں جواب دینے لگیں اور احادیث کے باب میں بھی کسی حدیث تک پہنچنا مشقت طلب امر ہونے لگا تو علماء نے احادیث نبویہ کی بھی حروف معجم کے اعتبار سے فہارس تیار کیں اور ان کتب کو معاجم وفہارس کا نام دیا گیا، یہاں تک کہ بعد کے ادوار میں یہ طریقہ ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر گیا، جسے "علم تخریج الأحادیث" کا نام دیا گیا۔

## نشأة موضوع

کسی بھی حدیث کے قبول کرنے اور اس کے متابعات وشواہد کا طلب کرنا ابتداء عہدِ صحابہ ہی سے معمول بہا رہا ہے بلکہ اس بات کی پابندی کی جاتی رہی کہ احادیث نبویہ کو باوثوق ذرائع سے حاصل کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد احادیث نبویہ کی تحقیق وچھان بین شروع ہو چکی تھی، صحابہ کرام اس ضمن میں کافی احتیاط کرنے والے تھے، جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ أبو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: "**كان أول من احتاط في قبول الأخبار**"[1].

اسی طرح تابعین کا طریقہ کار بھی رہا خصوصاً اس صورت میں جب کہ ان کے زمانے میں بدعات کا ظہور واضح طور سے ہو چکا تھا، اور موضوع احادیث بکثرت پھیل چکی تھیں، اس دوران میں کتب حدیثیہ بھی لکھی جانے لگی تھیں، تاہم علم تخریج کی طرف لوگوں کی حاجت وضرورت پیش نہیں آئی تھی کیونکہ تبع تابعین کے زمانہ تک درحقیقت اسانید مختصر ہی تھیں، جس کی بناء پر ان اسانید کو یاد کرنا آسان تھا، تاہم اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اگرچہ یہ علم باقاعدہ طور سے مدون نہ تھا لیکن اس کے قواعد وضوابط شفوی طور سے آگے منتقل ہو رہے تھے[2]۔

لیکن اسی زمانہ میں کچھ ایسے علماء موجود تھے جنہوں نے احادیث کے طرق جمع کرنے کی طرف توجہ دی، جن میں سے امام علی بن المديني رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں جنہوں نے حدیث "**من كذب علي**

---

[1] دیکھئے امام ذہبی کی: تذكرة الحفاظ 2/1۔

[2] ملاحظہ ہو: عبدالموجود کی كشف اللثام 142/1 اور أصول التخريج ص 13۔

متعمداً"، کے تمام طرق کو ایک کتاب میں جمع کیا، اور ان کے بعد یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ نے ان کی متابعت کی [1]۔

ان کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اپنی مشہور زمتانہ سنن کی تصنیف کے دوران ہر حدیث کے ذکر کرنے کے بعد اس کے دیگر شواہد کی طرف " **وفي الباب عن فلان وفلان** " کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس عمل کے ذریعے سے اس علم کی نشوونما ہونے لگی، جس کے بعد آنے والے ادوار میں علماء ومحدثین نے مشہور کتب حدیثیہ میں مذکور مرسل، معلق اور معضل احادیث کو توجہ کا مرکز بناتے ہوئے ان احادیث کو اپنی مستقل کتب میں اتصال سند کے ساتھ ذکر کیا، جن میں اولین مصنف "**أبو عمر أحمد بن خالد القرطبي المعروف بابن الجبَّاب**" تھے جنہوں نے "**مسند الموطأ**" کی تالیف کی، ان کے بعد باقی محدثین نے اس میدان میں ان کی متابعت کی [2]، یہاں تک کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کا دور آیا جن کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب "**الأم**" کی احادیث کی تخریج کی [3]۔

اس ابتدائی واساسی مرحلہ کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جب زمانہ گزرنے کی وجہ سے اسانید طویل ہو نے کے ساتھ ساتھ علوم شرعیہ میں مصنفات کی کثرت ہوتی گئی، جن میں ان کے مصنفین نے احادیث بیان کرنے کا یہ طریقہ واسلوب اختیار کیا کہ ان کی اسانید کی طوالت کی بناء پر صرف متون کے بیان پر اکتفاء کرتے، اس کے ساتھ ساتھ وہ احادیث پر کسی قسم کا حکم بھی نہ لگاتے اور نہ ہی مصدر اصلی کی طرف اشارہ فرماتے، اس چیز کو دیکھتے ہوئے علماء ومحدثین نے اس قسم کی کتب وتصانیف میں بیان کی گئی احادیث کی تخریج کا بیڑا اٹھایا، جس کے نتیجے میں اس علم نے ایک مستقل حیثیت اختیار کرلی، اس معاملے

[1] تفصیل کے لئے امام کتانی کی نظم المتناثر ص37۔

[2] دیکھئے: حصول التفریج ص24۔

[3] ملاحظہ ہو: صبحی سامرائی کی مقدمة تخریج أحادیث شرح العقائد ص11۔

میں محدثین نے کافی جانفشانی دکھائی خصوصاً آٹھویں اور نویں صدی میں اس علم کو کافی پذیرائی ملی اور اس بارے میں کئی مایہ ناز کتب وجود میں آئیں [1]۔

علم تخریج پر اس وقت تک عبور حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ باحث و محقق کو تین علوم پر دسترس حاصل نہ ہو، جو کہ در حقیقت علوم الحدیث کی مباحث میں سے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں:

أ. علم أصول الحدیث جس سے مراد علوم الحدیث کی مصطلحات وقواعد ہیں۔

ب. دوسرا علم در حقیقت پہلے مذکور شدہ علم میں داخل ہے، تاہم اس کی اہمیت کی بناء پر اسے خاص ذکر کیا جاتا ہے اور وہ "علم الجرح والتعدیل" ہے۔

ت. تیسرا اہم ترین علم "علم مصادر السنة" ہے، چاہے اس سے مراد وہ کتب ہوں جن میں احادیث بمعہ ان کی اسانید کے موجود ہوں، یا کتب تراجم جن میں احادیث ذکر کی گئی ہوں۔

لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان تینوں علوم پر دسترس اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ تخریج کے ساتھ ابتداء سے ہی ممارست نہ پائی جائے، تو یہ لازم وملزوم ہیں۔

لہٰذا طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ علوم الحدیث میں مطالعہ کی ابتداء ہی سے تخریج کے لئے تدریب ومشق کرتا رہے، اور احادیث کی تخریج کے لئے کتب حدیثیہ اور مصادر اصلیہ کو کھنگالتا رہے، لیکن اس سے یہ بالکل نہیں سمجھنا چاہئے کہ ابتداء ہی سے اس عمل کی بناء پر وہ تخریج حدیث پر عبور حاصل کر لے گا، تاہم اس مشق وتدریب سے وہ اس قابل ہو جائے گا کہ علم المصطلح کے ساتھ ساتھ وہ علم تخریج پر بھی کامل دسترس پالے۔

---

[1] أصول التخریج ص14۔

در حقیقت یہ کتاب "سلسلة علوم حديثية" کی چوتھی قسط اور کڑی ہے، جو کہ علم التخریج اور دراسہ اسانید کی مباحث کو سموئے ہوئے ہے، اس کتاب کی تیاری میں جن میں:

أ. ڈاکٹر محمود الطحان کی "أصول التخريج و دراسة الأسانيد".

ب. ڈاکٹر عمرو عبدالمنعم سلیم کی "تيسير دراسة الأسانيد للمبتدئين".

ت. ڈاکٹر سعد بن عبداللہ آل حمید کی "طرق تخريج الحديث".

ث. ڈاکٹر محمد محمود بکار کی "علم التخريج ودوره في حفظ السنة النبوية".

ج. ڈاکٹر محمد بن ظافر الشہری کی "علم التخريج ودوره في حفظ السنة النبوية".

ح. ڈاکٹر عبدالغفور بن عبدالحق کی "علم التخريج ودوره في حفظ السنة النبوية".

خ. ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد الشایع کی "دراسة الأسانيد".

د. ڈاکٹر ولید بن حسن العانی کی "منهج دراسة الأسانيد والحكم عليها".

ذ. شیخ حاتم بن عارف العونی کی "التخريج ودراسة الأسانيد" شامل ہیں جن کی متفرق مباحث سے بھی استفادہ کیا گیا۔

ان کتب کے علاوہ باقی شیوخ کی کتب سے بھی استفادہ کیا گی جن میں سے ڈاکٹر ماہر یاسین الفحل، ڈاکٹر عبداللہ بن یوسف الجدیع، ڈاکٹر محمد عبدالرزاق الأسود اور ڈاکٹر عمرو عبدالمنعم سلیم کی کتب سے بھرپور استفادہ کیا گیا جنہوں نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اپنی کتب کے ترجمہ کی خصوصی اجازت عطا فرمائی۔

## ڈاکٹر ماہر یاسین الفحل کا اجازت نامہ:

دار الحديث

رقم الخزانة: / - /

**( إذن في الترجمة )**

قالَ أبو الحارثِ ماهرُ بنُ ياسينِ الفحلِ الدكتور (عفا اللهُ عنْه) :

**بسم الله الرحمن الرحيم**

الحمدُ لله والصّلاة والسّلام على عبده ورسوله ومصطفاه :

فقد أذنتُ للأخ الدكتور : محمد عمران بن شمس الدين بترجمة كتبي من اللغة العربية إلى اللغة التي يريدها ، راجيًا من الله تعالى أن يوفقنا وإياه إلى كلِّ خير، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

قاله الشيخ حفظه الله

د. ماهر ياسين الفحل

شيخ دار الحديث في العراق

دار الحديث في العراق
د. ماهر ياسين الفحل
٢٩/صفر/١٤٤٠

شهد على صحتها معاذ بن مصطفى كاخيا

ڈاکٹر عبداللہ بن یوسف الجدیع کا اجازت نامہ:

بسم الله الرحمن الرحيم

إجازة وإذن خاص

الحمد لله رب العالمين، وأشهد أن لا إله إلا الله ولي الصالحين، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله النبي الصادق الأمين، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم تسليمًا كثيرًا.

أما بعد..

فإني الموقع أدناه عبد الله بن يوسف الجديع أُقِرُّ بأني أجَزْتُ وأذِنْتُ لفضيلة الشيخ الدكتور محمد عمران، حفظه الله، أن يقوم بترجمة كتابي "تحرير علوم الحديث" إلى اللغة الأوردية، بقصد نفع طلاب العلم الناطقين باللغة المذكورة، وذلك بشرط أن لا تُستغل الترجمة لغرض تجاري يتم الاسترباح منه.

وَفَّق الله أخي الشيخ الدكتور محمد عمران لما يحب ويرضى، وجعل عمله خالصًا لوجهه، ونفع به، وفتح له من أبواب فضله ورحمته.

وكتب

عبد الله بن يوسف الجديع

ثبت ذلك وصح يوم الأحد الثالث من شهر صفر الخير سنة ١٤٤٢هـ

الموافق للحادي والعشرين من شهر أيلول (سبتمبر) ٢٠٢٠م

وتمت إضافة عبارة (يتم الاسترباح منه) بتاريخ السبت ٩ جمادى الثانية ١٤٤٢هـ الموافق ٢٠٢١/١/٢٣م.

ڈاکٹر محمد عبدالرزاق اَسود کا اجازت نامہ:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وأفضل الصلاة وأتم التسليم على سيدنا محمد النبي الأمي وعلى آله وصحبه أجمعين، ورضي الله عن العلماء المخلصين إلى يوم الدين، أما بعد:

فقد أذنت للأخ الدكتور محمد عمران بن شمس الدين الموقر بترجمة كتبي من اللغة العربية إلى اللغة الأردية، راجياً من الله تعالى أن يوفقنا وإياه إلى كل خير.

والله وليّ التوفيق

أ.د.محمد عبد الرزاق أسود

أستاذ السنة النبوية وعلومها بجامعة الإمام عبد الرحمن بن فيصل بالسعودية حالياً، وجامعتي حلب وبلاد الشام بدمشق بسورية سابقاً.

اس کتاب میں علم تخریج ودراسہ اسانید کی مباحث کو درج ذیل ترتیب سے ذکر کیا جائے گا:

# خريطة علوم الحديث

## أبرز أقسام علم الحديث وأهم كتبه

## علوم السند

### الجرح والتعديل

علم يبحث عن أحوال الرجال من حيث القبول أو الرد، وهو المعول عليه في قبول ورد الحديث، وينقسم إلى عدة أقسام:

- **ألفاظه**: مصطلحات النقاد في الحكم على الرواة
  - كقولهم: (ثقة، لا بأس به، ليس بحجة، يكتب حديثه...) إلخ. وتفسيرها موجود في بعض كتب المصطلح
- **رجاله**: هم المحدثون المشتغلون بنقد الرواة، من أبرزهم:
  - شعبة بن الحجاج، عبدالرحمن بن مهدي، يحيى القطان، يحيى بن معين، أحمد بن حنبل، علي بن المديني، البخاري، أبو زرعة الرازي، أبو حاتم الرازي، النسائي، أبو داود.
- **قواعده**: وهي القواعد التي وضعت في معرفة أحوال الرجال
  - من أمثلتها: (إذا تعارض الجرح والتعديل فما الذي يقدم؟)، (إذا كان الراوي لم يوثق ولم يضعف، وروى عنه اثنان، فهل تكفي رواة اثنين في توثيقه؟)... إلخ.
- **تمييز الرواة**: تحديد الراوي نفسه، فلا يتشابه مع راوٍ آخر
  - مثل: الرواة غير المنسوبين، أو يذكر لقبه دون اسمه!
  - الكنى والأسماء للإمام مسلم، الإصابة لابن حجر
- **نقد الرواة**: معرفة هل الراوي ثقة أم لا؟
  - وهو أكبر قسم وثمرة علم الجرح والتعديل

**كتب هذين النوعين**

- **شمولية**: تشمل الثقات والضعفاء
  - عامة: التاريخ الكبير للبخاري، والجرح والتعديل لابن أبي حاتم
  - خاصة بكتاب معين: تهذيب الكمال للمزي، ويختص برواة كتب الستة
- **خاصة**: اختصت بالثقات أو الضعفاء
  - الثقات: الثقات لابن حبان، والثقات للعجلي
  - الضعفاء: الكامل لابن عدي، وهو أشملها، والضعفاء الكبير للعقيلي

### تخرج الحديث

استخراج طرق الحديث، ثم نقدها، للوصول إلى حكم على الحديث

- **كتب نظرية**: تعتني بكيفية التخريج، وأغلبها معاصرة
  - طرق تخريج الحديث لسعد الحميّد
- **كتب تطبيقية**: الممارسة العملية لعلم الحديث
  - عامة: المقاصد الحسنة للسخاوي، وكشف الخفاء للعجلوني
  - خاصة: تخريج أحاديث الكشاف للزيلعي وابن حجر
  - أشملها: المسند المصنف المعلل، لمجموعة من الباحثين

### المصطلح

مصطلحات علماء الحديث التي يعبرون بها عن أحوال الرواية، ويسمى (علوم الحديث)

- من أقدم الكتب: معرفة علوم الحديث للحاكم
- أكثر الكتب عناية عند العلماء: مقدمة ابن الصلاح
- معاصر: تحرير علوم الحديث للجديع

### العلل

العلم الذي يبحث في وجوه الطعن الخفية في الأسانيد والمتون. وتعتبر مرحلة متقدمة في علم الحديث. والعالمون به قلة، منهم:

شعبة بن الحجاج، عبدالرحمن بن مهدي، يحيى القطان، يحيى بن معين، أحمد بن حنبل، علي بن المديني، البخاري، أبو زرعة الرازي، أبو حاتم الرازي، النسائي، أبو داود.

- نظرية: التمييز للإمام مسلم، العلل للترمذي، وشرحه لابن رجب
- تطبيقية: العلل لابن أبي حاتم الرازي، والعلل للدارقطني

### السقط والاتصال

العلم الذي يعتني بحالة الاتصال والانقطاع في الإسناد وتسمى: (كتب المراسيل)

- المراسيل لابن أبي حاتم، تحفة التحصيل لابن العراقي

### مناهج المحدثين

معرفة طرق المصنفين في السنة النبوية، كشرط البخاري ومسلم، أو منهج البخاري في الجرح والتعديل. وهذه قد توجد في الكتب الحديث عامة، ومن الكتب الخاصة بذلك:

- شروط الأئمة الخمسة للحازمي، ومن المعاصرين: مناهج المحدثين لسعد الحميّد

## علوم المتن

### المتون فقط

- **مسندة**
  - للنبي ﷺ: صحيح البخاري ومسلم
    - باعتبار الصحة وعدمها:
      - اشترطت الصحة: صحيح البخاري ومسلم وابن خزيمة
      - لم تشترط الصحة: مسند الإمام أحمد، وأبو داود، والترمذي
    - باعتبار نوع الجمع:
      - المسانيد رتبت على الصحابة: مسند الإمام أحمد
      - السنن رتبت على أبواب الفقه: سنن أبي داود، وابن ماجه
      - الجوامع جمعت فنون متعددة: صحيح البخاري
    - المستخرجات وهي الكتب التي يروي مؤلفها أحاديث كتاب معين من سنده هو لا من سند الكتاب، وقد يكون فيها زيادات: مستخرج الإسماعيلي وأبو نعيم على صحيح البخاري، ومستخرج أبي عوانة على صحيح مسلم
  - للنبي ﷺ والصحابة والتابعين: مصنف ابن أبي شيبة، وعبدالرزاق
- **غير مسندة**
  - كتب جمعت فنون شتى: مصابيح السنة للبغوي
  - اختصت بأحاديث الرقائق والآداب: الأربعون النووية، والترغيب والترهيب للمنذري
  - اختصت بأحاديث الأحكام: المنتقى للمجد الجد، وعمدة الأحكام للمقدسي

### المتون مع شرحها

وتسمى فقه السنة

- **شروح الأحاديث**
  - مسندة: التمهيد لابن عبدالبر، فتح الباري لابن حجر
  - غير مسندة: شرح عمدة الأحكام لابن الملقن، وسبل السلام
- **غريب الحديث**: تعتني بشرح ألفاظ الأحاديث
  - غريب الحديث لأبي عبيد القاسم بن سلام، والنهاية لابن الأثير
- **مختلف الحديث**: تعتني بتوجيه الأحاديث التي يُرى أنها متعارضة
  - اختلاف الحديث للشافعي، شرح مشكل الآثار للطحاوي، وهو أشملها
- **الناسخ والمنسوخ**
  - الاعتبار في الناسخ والمنسوخ للحازمي

# تمہید

مبحث اول: تخریج کی تعریف

مبحث ثانی: تخریج کے فن پر لکھی گئی کتب

مبحث ثالث: علم تخریج کے فوائد

مبحث رابع: تخریج کے مراتب کا تفاوت

مبحث خامس: تخریج حدیث کے سلسلے میں طلاب علم کو ضروری نصائح

# تمهید
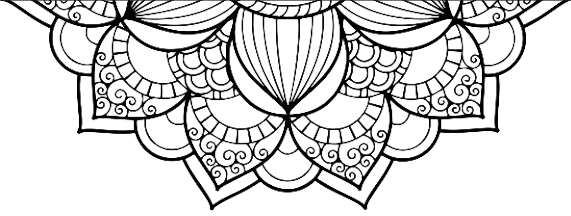
## مبحث اول: تخریج کی تعریف

تخریج لغت میں "خرَّج" کا مصدر ہے، بمعنیٰ ظاہر کرنا اور باہر نکالنا، لہٰذا اس حیثیت سے تخریج کا مطلب ہوا ظاہر کرنا اور باہر نکالنا، واضح کرنا[1]۔

جب کہ اصطلاح میں: کسی بھی حدیث کو اس کے مصادر اصلیہ مسندہ کی طرف منسوب کرنا، اگر مصادر اصلیہ کی طرف منسوب و مرتبط کرنا متعذر و ناممکن ہو تو اس صورت میں مصادر فرعیہ کی طرف انتساب کافی رہے گا، اگر فرعی مصادر بھی ممکن نہ ہوں، تو اس کتاب کی طرف انتساب کافی ہوگا جس میں اس حدیث کو بمعہ سند کے نقل کیا گیا ہو، اس کے ساتھ ساتھ حدیث کا مرتبہ و درجہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے[2]۔

## اصطلاحی اور لغوی تعریف میں مناسبت:

یہ ظاہر ہے کہ جب باحث کسی بھی حدیث کو مصدر اصلی کی طرف منسوب کرتا ہے تو گویا وہ اسے ظاہر و واضح کر دیتا ہے، اور اس کے وجود کے مقامات پر معلومات فراہم کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ حدیث پر حکم اس حدیث کی قدر و اہمیت اور منزلت بھی واضح کر دیتی ہے، اور باحث و محقق اس بات سے باخبر ہو جاتا ہے کہ مذکورہ حدیث قابل عمل ہے یا نہیں اور اسے بطور احتجاج پیش کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟۔

تخریج کی تعریف میں عربی کتب "العزو" کا لفظ استعمال کرتی پائی گئی ہیں، یہاں "العزو" سے مراد انتساب یا احالہ ہے، پھر "العزو" کے مختلف اسالیب و درجات ہو سکتے ہیں:

**أ:** "العزو المطول": اس سے مراد یہ ہے کہ حوالہ ذکر کرنے والا باحث و محقق اس کتاب کے ذکر

[1] دیکھئے: مُعْجم مقاييس اللُّغَة مَادَّة خرج، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمود الطحان کی أصول التخريج ص10۔
[2] دیکھئے: أصول التخريج ص12۔

کرنے کے ساتھ ساتھ جس میں حدیث موجود ہو، اس بات کا بھی التزام کرے کہ کتاب کے اندر کون سی کتاب، باب، جلد، صفحہ اور حدیث نمبر کے تحت مذکورہ حدیث موجود ہے، اگر مذکورہ کتاب میں یہ تمام اوصاف موجود ہوں۔ احالہ اور انتساب کی یہ ممکنہ طویل صورت ہے۔

اگر کتاب تراجمِ رجال سے متعلق ہو تو کتاب اور باب کی بجائے ترجمہ نمبر ذکر کرنا مناسب ہو گا جیسے تاریخ بغداد اور تراجم ضعفاء سے متعلق کتب وغیرہ۔ طویل انتساب و احالہ کی خاصیت یہ ہے کہ اگرچہ کتاب کی طبعات مختلف ہوں تاہم ان سے استفادہ آسان ہوتا ہے، جب کہ اس کا عیب یہ ہے کہ اس میں طوالت ہوتی ہے، خصوصاً جب احالہ بہت زیادہ مصادر کی طرف کیا گیا ہو۔

**ب:** "العزو المختصر" اس سے مراد یہ ہے کہ فقط اس کتاب کا ذکر کر دیا جائے جس کتاب میں یہ حدیث مذکور ہو، جیسا کہ کہا جائے، "أخرجه البخاري". اس کے علاوہ کسی باب، حدیث نمبر، صفحہ نمبر کا ذکر نہ کیا جائے، جیسا کہ متقدمین علماء کے ہاں اس بات کی کثرت پائی جاتی ہے، مثلاً یہ کہا جائے: "انظر : تلخیص الحبیر". اور یہ اسلوب وطریقہ مفید رہتا ہے خصوصاً مشہور کتب میں جیسا کہ صحیحین کے تناظر میں، اور ایسی کتاب کے ساتھ جن کی فہارس معاصر زمانہ میں پائی جاتی ہیں جن کی بناء پر کسی بھی حدیث تک پہنچنا آسان ہو چکا ہے۔

غالباً متقدمین اس طریقہ واسلوب کو نسخوں کے اختلاف کی بناء پر اختیار کرتے تھے، اسی طرح ان کے پاس کسی کتاب کی کوئی معین طباعت موجود نہ ہوتی تھی کہ جس کی طرف کسی حدیث کا انتساب کریں، جیسا کہ معاصر زمانے میں ایسی سہولیات میسر ہیں، تاہم یہ بات ذہن میں رہے کہ اس طریقہ کی طرف اس وقت رجوع کیا جاتا تھا جب کتاب مشہور و متداول رہی ہو۔

**ج:** اس کے علاوہ ایک طریقہ "متوسطة" بھی ہے، اس کے مطابق حدیث نمبر ذکر کیا جاتا ہے اگر کتاب میں ترقیم کی گئی ہو، اور یہ بہترین طریقہ ہے، کیونکہ احادیث کے نمبرات عموماً مختلف طبعات میں کسی بڑے اختلاف کی طرف دلالت نہیں کرتے، لہٰذا کوئی حدیث دس یا بیس نمبرات کے ساتھ آگے

پیچھے ہو سکتی ہے، لہٰذا طبعات کے اختلاف کے باوجود احادیث پر معرفت ممکن ہو سکتی ہے۔

تاہم یہاں اس طریقہ میں جو نقصان پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کتب میں ترقیم صحیح طریقے سے نہیں کی گئی ہوتی، جیسا کہ بعض کتب میں دیکھا جائے تو ان کی بعض مجلدات کی ترقیم ہو چکی ہوتی ہے اور بعض کی ترقیم مکمل نہیں ہوتی، تو اس صورت میں یہ طریقہ سود مند نہیں رہتا۔ تاہم اگر ترقیم انتہائی بہترین طریقے سے کی گئی ہو اور دقت نظر سے ترتیب دی گئی ہو تو اس صورت میں یہ طریقہ نہایت کار آمد رہتا ہے۔ اور اختصار و تطویل کے درمیان متوسط بھی رہتا ہے۔

لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ "العزو المطوّل" کا بعض اوقات خاص فائدہ حاصل ہوتا ہے، جس کی بناء پر باحث و محقق کو چاہئے کہ اس طریقے کو مدنظر رکھے، مثال کے طور پر اگر کوئی طباعت اچھی نہ ہو اور اس میں اغلاط زیادہ ہوں، تو عزو طویل ضروری ہے، کیونکہ طبعات کے مختلف ہونے کی وجہ سے متعیّن حدیث تک پہنچنے میں مشکل پیش آسکتی ہے، تاہم اگر کہا جائے کہ مثلاً: "أخرجه ابن عدي في الكامل في ترجمة فلان بن فلان "تو اس صورت میں متعیّن مقام تک پہنچنا آسان ہوتا ہے اگرچہ طبعات مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

تخریج کی تعریف میں "الحدیث" کا لفظ بھی گزرا ہے جو کہ اصطلاح میں: "هو كل ما أضيف إلى النبي ﷺ من قول أو فعل أو تقرير أو صفة أو سيرة أو إلى الصحابة أو إلى التابعين "کو کہا جاتا ہے۔

اس قید کی بدولت قرآنی آیات اور شعری ابیات کی تخریج مذکورہ تعریف سے خارج ہوگئی۔

تعریف میں ایک لفظ " إلى مصادره الأصلية "بھی استعمال کیا گیا ہے، علوم الحدیث میں مصادر کے "اصل ہونے" کا وصف دو امور سے سامنے آتا ہے:

أ. کتاب کے مقدم ہونے کی وجہ سے اَصالت

ب. کتاب کی اہمیت کی وجہ سے اَصالت

کبھی کبھار کتاب قدیم ہوتی ہے تاہم اس میں اُصالت کی صفت نہیں پائی جاتی، کیونکہ وہ اُہم کتب میں شمار نہیں ہوتی، مثال کے طور پر اگر کوئی حدیث صحیح بخاری میں پائی جائے جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "نسخة وكيع عن الأعمش" سے حاصل کی ہو، جو کہ مطبوع شکل میں موجود بھی ہے، تو یہاں صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا جائے، اگرچہ نسخہ وکیع صحیح بخاری سے مقدم ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح کا مرتبہ و منزلت اُہمیت کے اعتبار سے نسخہ وکیع سے بڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا باحث اس مقام پر صحیح بخاری کی طرف ہی تخریج کا اشارہ کرے گا۔

اسی طرح کبھی کبھار معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ کتاب کی اہمیت مسلّم ہوتی ہے لیکن وہ قدیم نہیں ہوتی، تو اس صورت میں بھی اس کی طرف تخریج میں اشارہ نہیں کیا جا سکتا، مثال کے طور پر کوئی حدیث "تاريخ دمشق" میں موجود ہو جو کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے قطیعی رحمہ اللہ کے طریق سے عبداللہ بن امام اُحمد رحمہ اللہ بواسطہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کی ہو، تو اس صورت میں تخریج کرتے ہوئے مسند اُحمد کی طرف اشارہ کرنا صحیح ہوگا، بلکہ واجب ہے کہ پہلے مسند اُحمد کو تخریج میں ذکر کیا جائے اس کے بعد اگر ابن عساکر کا تذکرہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ تاہم مسند کو چھوڑ کر ابن عساکر کی طرف رجوع کرنا تخریج کے اعتبار سے انتہائی سنگین غلطی شمار کی جائے گی۔ کیونکہ مصدر اصلی یہاں مسند احمد ہے جس کے اوپر ابن عساکر نے اپنی روایت کی اُساس رکھی ہے۔

اسی طرح بغوی رحمہ اللہ کی روایات جو انہوں نے "شرح السنّة عن الكتب الستة" میں نقل کی ہیں تو یہاں یہ مناسب نہیں ہوگا کہ حدیث کی تخریج کرتے وقت امام بغوی رحمہ اللہ کی "شرح السنّة" کی طرف اشارہ کر دیا جائے، جب کہ وہ حدیث کتب ستہ میں موجود ہو، جب کہ امام بغوی رحمہ اللہ اپنی کتب و مصنفات میں کتب ستہ سے بہت زیادہ روایت کرنے والے ہیں، اور یہی حال امام مزی رحمہ اللہ کا "تهذيب الكمال" میں بھی رہا۔

تعریف میں ایک اور لفظ "المسندة" بھی ذکر کیا گیا ہے، اس کلمہ سے مراد وہ کتب ہیں جن میں

مؤلف احادیث کو اپنی اسانید کے ساتھ اپنے شیخ اور پھر اسکے شیخ سے سند کے آخر تک نقل کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حدیث کی تخریج کرتے وقت "جامع الأصول لابن الأثير" کی طرف اشارہ کیا جائے، یا "مجمع الزوائد للهيثمي" کی طرف اشارہ کیا جائے، یا امام نووی رحمہ اللہ کی "رياض الصالحين" کی طرف اشارہ کیا جائے، تو یہ بہت بڑی غلطی سمجھی جائے گی۔ اور اگر تخریج کرتے وقت ایسا عمل کیا جائے تو فن تخریج کے باب میں اسے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اسی طرح تخریج میں ان مشہور و متداول کتب کی طرف اشارہ کرنا مناسب نہیں ہو گا جن میں مقطوع اسانید ہوں یا بلاغات روایات مذکور ہوں، یا مطلقًا احادیث ہی ذکر نہ کی گئی ہوں۔

یہاں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کوئی کتاب اَصالت کے اعتبار سے ٹھیک ہوتی ہے لیکن وہ مسند نہیں ہوتی، مثال کے طور پر امام نووی رحمہ اللہ کی "الأذكار" اور ابن حجر رحمہ اللہ کی "نتائج الأفكار".

تو "نتائج الأفكار" مسند کتب میں شمار ہوتی ہے جب کہ "الأذكار" اَصالت کے اعتبار سے پچھلی کتاب سے اہم ہے، لیکن وہ غیر مسند ہے۔ یہاں تخریج کرتے وقت "نتائج الأفكار" کا تذکرہ کرنا زیادہ احسن اقدام ہے، کیونکہ "نتائج الأفكار" مسند کتاب ہے۔ اسی طرح کی مثال امام قضاعی رحمہ اللہ کی "مسند الشهاب" اور "الشهاب" کی ہے۔ اول الذکر میں انہوں نے احادیث نبویہ کو اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے، جب کہ وہی روایات اسانید کے بغیر "الشهاب" میں ذکر کی ہیں۔

اسی طرح کی مثال امام دیلمی رحمہ اللہ کی کتاب "الفردوس" کی ہے، جس میں انہوں نے اسانید ذکر نہیں کیں، جب کہ بعد میں مؤلف کے بیٹے نے اپنے باپ کی ذکر کردہ احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کیا، اور یہ روایات نبی کریم ﷺ تک مسند ذکر کیں جس کا نام انہوں نے "مسند الفردوس" رکھا۔ تو یہاں "الفردوس" اَصل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن وہ مسند نہیں ہے۔ اور "مسند الفردوس" کتاب مسند بھی اور اَصالت کا معنیٰ بھی رکھتی ہے۔

اگر مصادر اصلیہ کی طرف رجوع متعذر ہو اور ممکن نہ ہو، مثال کے طور پر کتاب مخطوط ہو اور اس

پر مطلع ہونا ممکن نہ ہو، یا اس کی طرف سفر کرنا ممکن نہ ہو، اس صورت میں مصادر اُصلیہ کی بجائے مصادر فرعیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور کتب فرعیہ سے مراد وہ کتب حدیثیہ ہیں جن میں مصنفین نے پچھلی کتب سے یا زیادہ اہم کتب سے احادیث نقل کی ہوں، اس تناظر میں کتب فرعیہ میں دو امور کا ہونا ضروری ہے:

**أ.** وہ کتب اُصالت کے اعتبار سے کتب کے بعد آنے والی ہوں۔

**ب.** وہ کتب سابقہ کتب سے اہمیت کے لحاظ سے کم تر ہوں۔

کتبِ فرعیہ میں اس بات کی شرط ضروری ہے کہ وہ مسند ہوں، مثال کے طور پر امام بیہقی رحمہ اللہ صحیح ابن خزیمہ کے اجزاء مفقودہ سے روایت کرے، تو اس صورت میں امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب کو مصدر فرعی کی حیثیت حاصل ہوگی، کیونکہ انہوں نے یہ حدیث اپنے سے مقدم اور زیادہ اہمیت والی کتاب سے نقل کی ہے، جو کہ صحیح ابن خزیمہ ہے تاہم چونکہ صحیح ابن خزیمہ کی طرف رجوع بوجہ مفقود ہونے کے ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں تخریج کرتے وقت مصدر فرعی کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جو کہ "السنن الکبری" یا "معرفة السنن والآثار" اور "شعب الإيمان" ہیں۔

اسی طرح امام طبرانی رحمہ اللہ کی "المعجم الکبیر" کے کچھ اجزاء مفقود ہیں، امام ابن عساکر رحمہ اللہ امام طبرانی رحمہ اللہ کے مفقود اجزاء سے روایت کرتے ہیں، اس صورت میں ابن عساکر مصدر فرعی ہے اور امام طبرانی رحمہ اللہ کی معجم مصدر اصلی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم جب معجم طبرانی پر مطلع ہونا متعذر ہوا تو اس صورت میں مصدر فرعی کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔

اسی طرح مصادر فرعیہ میں کتب زوائد شامل ہیں جن میں احادیث کو ان کے مصنفین نے اپنی اسانید سے ذکر کیں، مثال کے طور پر امام ہیثمی رحمہ اللہ کی "کشف الأستار عن زوائد مسند البزار". اور امام ابن حجر رحمہ اللہ کی "المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية". تو یہ کتب اُصلیہ نہیں ہیں، بلکہ کتب فرعیہ ہیں جس میں مصنف نے کسی معین کتاب کی دوسری معین کتب سے زائد احادیث کو ذکر کیا ہے۔

اسی طرح مصادر فرعیہ میں "كتب أطراف الحديث "بھی شامل ہیں مثال کے طور پر "تحفة الأشراف"، "إتحاف المهرة"اور"أطراف الغرائب والأفراد".

مثال کے طور پر "إتحاف المهرة"کامل مسند أبي عوانہ پر مشتمل ہے، جوکہ در حقیقت "المستخرج على صحيح مسلم" ہے، تاہم چونکہ مسند أبي عوانہ میں نقص موجود ہے، تواس صورت میں ہم تخریج کرتے وقت مسند أبي عوانہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے مضطر و مجبور ہوتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "إتحاف المهرة"کی طرف رجوع کریں کیونکہ اصل مسند أبي عوانہ میں نقص پایا جاتا ہے۔

اسی طرح صحیح ابن خزیمہ کے بعض مفقود اجزاء حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "إتحاف المهرة"میں موجود ہیں، جیساکہ "كتاب التوكل"اور "كتاب السياسة". تو تخریج کرتے وقت " إتحاف المهرة"کی طرف رجوع کیا جائے گا، جوکہ مصدر فرعی ہے۔ کتب فرعیہ کے لئے مسند ہونا ضروری ہے ورنہ ان کا تخریج میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہو گا۔

اور اگر مصادر اصلیہ و فرعیہ کی طرف رجوع ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ان کتب کی طرف رجوع کیا جائے گا جوکہ اصل کتب یا فرعی کتب سے ان کی اسانید کے ساتھ احادیث نقل کرنے والی ہوں، مثال کے طور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کسی کتاب مفقود کی طرف حدیث کو منسوب کریں، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مؤلف کی مکمل سند نبی کریم ﷺ تک ذکر کریں، جیساکہ انہوں نے "تلخيص الحبير" یا "نصب الراية"میں ذکر کیا ہے، یا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن القیم رحمہ اللہ کی کتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تو ہم اس صورت میں سند ذکر کریں گے اور اس کے مؤلف کی طرف منسوب کریں گے، پھر بعد میں آنے والی کتب کی طرف حوالہ دیا جائے گا، جن میں احادیث کو سند کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا۔

یہی مثال کتب أطراف وزوائد کی بھی ہے جنہیں ہم کتب ناقلہ میں ذکر کر سکتے ہیں، تاہم انہیں بعد والے مرتبہ میں رکھا جائے گا، خصوصاً کتب زوائد مثال کے طور پر "كشف الأستار"اور "المطالب العالية"وغیرہ۔ جوکہ در حقیقت کتب مسندہ ہیں۔ چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ

میں اپنی سند کو ہر مؤلف تک پہنچایا ہے، اسی بناء پر انہیں مصادر فرعیہ میں شامل کرنا مناسب ہو گا۔

تخریج کا ایک اہم جزء "بیان مرتبة الحدیث" ہے، یعنی کسی بھی حدیث کا قبول اور رد کے اعتبار سے درجہ و مرتبہ بیان کرنا۔

متاخرین نے قبول و رد کے اعتبار سے احادیث کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے:

**(أ)**: "الصحیح" **(ب)**: "الحسن" **(ت)**: "الضعیف" **(ج)**: "شدید الضعف"

**(ہ)**: "الموضوع".

در حقیقت کوئی بھی حدیث "صحیح" اور "حسن" کی اپنی دو دو اقسام سے خالی نہ ہو گی، اسی طرح ضعیف بھی یا "ضعف خفیف" کے ساتھ ہو گی یا "ضعف شدید" کے ساتھ، جس میں متروک، منکر الحدیث اور ساقط الحدیث یا حدیث معضل کی روایات شامل ہیں۔ اس کے بعد حدیث موضوع کا نمبر آتا ہے جس کے بارے میں غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا راوی ہو، تو یہ تقریباً پانچ اقسام ہو گئیں۔

## حدیث پر حکم :

**أ.** حدیث پر حکم یا تو متن و سند دونوں کے لحاظ سے ہو گا۔

**ب.** یا صرف سند کے لحاظ سے اس پر حکم لگا ہو گا۔

**ج.** یا صرف متن کے لحاظ سے اس پر حکم لگا ہو گا۔

**(أ)** پہلی صورت میں کہ جب حدیث پر حکم سند اور متن دونوں کے لحاظ سے لگا ہو، اور مذکورہ حکم دونوں (سند و متن) کو شامل ہو تو یہ اس وقت صحیح متصور ہو گا جب دو میں سے ایک حالت پائی جائے:

- پہلی حالت یہ کہ پہلے سے کسی امام حاذق اور ماہر حدیث نے اس حدیث کی سند و متن دونوں پر حکم لگایا ہوا ہو۔

مثال کے طور پر باحث نے کوئی حدیث کسی کتاب سے تخریج کی، اور اس کی دراسہ کے بعد اسے صحیح پایا، تو اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "حديث صحيح" ہے جب تک دو میں سے ایک صورت نہ پائی جائے جن میں سے پہلی یہ ہے کہ کسی امام حاذق و ماہر حدیث نے اس پر بذات خود حکم لگایا ہو، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث ذکر کی ہو تو اس صورت میں باحث کہہ سکتا ہے کہ "حديث صحيح".

- دوسری صورت یہ کہ باحث کو اس بات کا گمان غالب ہو کہ اس نے کتب حدیثیہ میں سے تمام کا بالاستیعاب مطالعہ کر لیا ہے۔

اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اس حدیث میں کسی قسم کی کوئی علت ایسی نہیں پائی گئی جو کہ اس میں قدغن کا باعث بنتی ہو، تاہم فقط اتنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ باحث و محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم تخریج، علم مصطلح اور جرح و تعدیل کے قواعد و ضوابط پر مکمل عبور رکھتا ہو، اور احادیث معلہ پر گہری نظر رکھتا ہو۔

**(ب)** دوسری صورت کہ جس میں حکم کسی بھی حدیث کی صرف سند کو شامل ہو، اس میں باحث و محقق صرف اسی سند کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہے اور اس کی ظاہری حالت کے مطابق اس پر حکم لگاتا ہے، جیسا کہ باحث کا قول "هذا إسناد صحيح" یا "هذا إسناد ضعيف".

اس صورت میں باحث پر اُس وقت یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا جب اس حدیث کے بارے میں کسی قسم کی علت سامنے آئی جائے، کیونکہ باحث نے حکم لگاتے وقت سند کا لحاظ کیا ہوتا ہے اور اس کا مذکورہ حکم فقط سند کو شامل ہوتا ہے، جس سے یہ بالکل مراد نہیں ہوتا کہ مذکورہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ ضعیف ہے، بلکہ باحث نے فقط معین سند پر حکم لگایا ہے۔ تاہم اگر اس مذکورہ سند پر حکم لگانے میں غلطی واقع ہوئی ہو تو اس صورت میں باحث کو قابل گرفت سمجھا جائے گا، ورنہ وہ بری الذمہ ہو گا کیونکہ اس نے اپنے سامنے موجود سند پر اپنے تمام تر علم کو استعمال کرتے ہوئے حکم لگایا ہے۔ معاصر

زمانے میں تقریباً حدیث پر حکم کے سلسلے میں اسی طریقہ کو اپنایا جارہا ہے۔

**(ج)** تیسری صورت جس میں حدیث پر حکم لگاتے وقت صرف متن کو سامنے رکھا جاتا ہے ایسا عموماً وہ محققین کرتے پائے جاتے ہیں جن کو علوم الحدیث کی مباحث کے ساتھ زیادہ واقفیت نہیں ہوتی، یا پھر وہ محققین سند پر کسی قسم کا حکم لگاتے وقت تقویٰ اور خشیت کے زیر اثر ایسا کرنے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں، جیسا کہ شیخ محمود شاکر رحمہ اللہ نے امام طبری رحمہ اللہ کی کتاب " تھذیب الآثار " کی تخریج کرتے وقت اسلوب اپنایا ہے، وہ راویان حدیث کے احوال مکمل طور سے ذکر کرتے ہیں اور اگر چاہتے تو سند پر حکم لگا سکتے تھے، تاہم انہوں نے حکم نہیں لگایا، کیونکہ وہ کہتے تھے کہ " أنه لیس من أهل هذا الفن ". یعنی وہ اس فن کے رجال میں سے نہیں ہیں۔

لیکن انہوں نے حدیث کو مصدر اصلی کے ساتھ منسوب ضرور کیا ہے۔ اور اسی میں متن پر حکم پوشیدہ ہے، کیونکہ اگر وہ فرماتے ہیں کہ " أخرجه البخاري " تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اس کا متن صحیح ہے۔ جہاں تک اس حدیث کی وہ سند جو امام طبری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اس کے بارے میں کسی قسم کا حکم لگانے سے وہ احتیاط فرماتے ہیں۔

اس صورت کو باحث اس وقت رجوع کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی مسؤولیت سے بچانا چاہتا ہے، تو وہ سند میں موجود تمام راویوں کے حالات کو بالتفصیل ذکر کر دیتا ہے اور حدیث کو اس کے اصل مصدر کی طرف منسوب کر دیتا ہے، جس کے بعد اب مصدر اصلی کے مصنف کے ذکر کئے گئے حکم کو دیکھنا ہی لازمی ٹھہرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے کہ " أخرجه الترمذي " تو اب امام ترمذی کے اس حدیث پر لگائے گئے حکم کو ہی دیکھنا پڑے گا، اگر وہ کہتے ہیں کہ " حسن صحیح " تو اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

کتب تخریج میں سے اکثر کتب، حدیث پر حکم لگانے کو اہمیت دیتی ہیں۔ کیونکہ " حدیث پر حکم " ہی در حقیقت تخریج حدیث اور دراسہ اسانید کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔

تاہم کبھی کبھار باحث ومحقق حدیث کی تخریج فرماتے ہیں لیکن اس پر کسی قسم کا کوئی حکم نہیں لگاتے، اور یہ عمل کئی مشہور کتب تخریج میں پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر ”التلخیص الحبیر“ اور ”نصب الرایة“ اسی طرح یہ عمل ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب ”تحفة الطالب في تخریج أحادیث مختصر ابن الحاجب“ میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے، جب کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ”تخریج أحادیث الشفا“ میں اسی اسلوب کو روا رکھا ہے۔ ان ائمہ محدثین نے فقط انتساب کو کافی سمجھا ہے جب کہ وہ احادیث پر عمومی طور سے کسی قسم کا حکم نہیں لگاتے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیث پر حکم لگانا تخریج میں شرط نہیں ہے، تاہم کتب حدیث کی غالب تعداد حدیث پر حکم کو متضمن ہوتی ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ کبھی باحث و محقق حدیث پر حکم کو بالکل توجہ نہیں دیتا کیونکہ اسے اس سے کوئی رغبت نہیں ہوتی، بلکہ وہ سند کی دراسہ کرنے کے بعد حکم سے توقف اختیار کرلیتا ہے، کیونکہ اس کا مبلغ علم اسے حدیث پر حکم لگانے سے روکے رکھتا ہے۔

یہ تفصیلی تعریف جو ہم نے ذکر کی ہے یہی عموماً تخریج کی اصطلاحی تعریف میں ذکر کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی ”التخریج“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے اصطلاحی معنٰی کے علاوہ کوئی دوسرا معنٰی مراد ہوتا ہے، اس لحاظ سے تخریج کے اصطلاحی معنٰی کے علاوہ مزید دو معانی بھی مراد لئے جاتے ہیں:

”کسی بھی حدیث کی روایت اس کے ذکر کرنے والے سے لے کر منتہی راوی تک“، اسے بھی تخریج کے لفظ سے مراد لیا جاتا ہے۔

تو یہاں تخریج سے مراد ”روایت“ ہے، جیسے کسی باحث کا یہ کہنا کہ ”رواہ البخاري“ صحیح ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ”خرّجه البخاري“ کے الفاظ استعمال کرے۔ امام ابن رجب رحمہ اللہ اس لفظ کو خصوصًا استعمال کرتے پائے جاتے ہیں، ان کی کتاب میں بکثرت ”خرّجه“ کا لفظ پایا جاتا ہے۔ تاہم متاخرین کے نزدیک ”التخریج“ اور ”الإخراج“ میں فرق پایا جاتا ہے، جس کے مطابق وہ ”التخریج“ کو اصطلاحی معنٰی

پر محمول کرتے ہیں جس کی تفصیل ابھی گزر چکی، اور ''الإخراج'' سے وہ ''رواہ'' مراد لیتے ہیں۔

بلکہ معاصر علماء و محدثین تو ''أخرجه'' اور ''رواہ'' میں بھی فرق روا رکھتے ہیں۔ اس بناء پر وہ ''رواہ'' اس صورت میں استعمال کرتے ہیں جب مصنف کے علاوہ سند میں سے کسی راوی کا نام ذکر کرنا ہو، یعنی اگر سند کا کوئی حصہ ذکر کرنا ہو تو ''رواہ'' استعمال کرتے ہیں، اور اگر کسی کتاب کی طرف انتساب کرنا ہو تو اس صورت میں ''أخرجه'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مثال کے طور پر سند کے درمیان سے ذکر کرنا ہو تو ''رواه ابن عيينة عن عمرو بن دينار ..... '' کہتے ہیں۔

اور اگر کتاب کی طرف اشارہ مقصود ہو تو '' أخرجه البخاري من هذا الطريق '' ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ بہترین استعمال ہے اگر ان دونوں کے درمیان فرق روا رکھا جائے، اور وہ یہ کہ اگر کتاب کی انتساب کیا جائے تو ''أخرجه'' کہا جائے، جب کہ اگر سند کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کیا جائے تو ''رواہ'' کہا جائے تاکہ دونوں میں فرق واضح رہے۔

تخریج کا ایک تیسرا معنیٰ بھی کیا جاتا ہے جو کہ پچھلے دو معانی سے بالکل مختلف ہے، اور وہ یہ ہے کہ کوئی محدث حدیث کی کوئی کتاب تصنیف کرے، اور ان احادیث کی تصنیف میں وہ اپنے مصادر و مسموعات کی طرف رجوع کرے، یا معاصر علماء میں سے کسی عالم کی مسموعات ذکر کرے، پھر ان تمام مسموعات میں سے معین احادیث کو منتخب کرے، اور مندرجہ ذیل ترتیب میں سے کسی ایک ترتیب کے مطابق کتاب کو مدون کرے:

- یا تو اپنے شیخ کی احادیث کی ترتیب سے کتاب مرتب کرے، جس میں وہ حروف معجم کا لحاظ رکھے تو اسے ''معجم شيوخ فلان'' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
- اگر کسی قسم کی کوئی ترتیب ملحوظ نہ رکھے تو اسے ''فوائد'' یا ''أمالي'' یا ''جزء حديثي'' کے عناوین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تو اگر باحث کو کوئی کتاب مثلاً ''مشيخة بدر الدين بن جماعة تخريج علم الدين البرزالي'' ملے تو

اس سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ برزالی اپنے شیخ " بدر الدين بن جماعة " رحمہ اللہ کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ مجھے اپنی مسموعات دکھائیں، جس پر انہوں نے اپنی تمام مسموعات اپنے شاگرد برزالی رحمہ اللہ کو دکھائیں، جس پر برزالی رحمہ اللہ نے بدر الدین رحمہ اللہ کی روایات ان کے شیوخ کے لحاظ سے مرتب کرتے ہوئے ان کی تخریج کی، تاہم یہ احادیث کا انتقاء اور انتخاب کسی سبب کی بناء پر ہو گا، جو کہ علو سند، غرابت سند یا سند و متن میں کسی قسم کی زیادت ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں تخریج کا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے کسی معاصر محدث کی احادیث کو ان کی اسانید کے ساتھ اپنی کتاب میں مذکورہ کسی بھی ترتیب کے مطابق ذکر کیا جائے۔

## مبحث ثانی : تخریج کے فن پر لکھی گئی کتب

1. أبو الفیض الغماری کی "حصول التفريج بأصول التخريج".
2. شیخ محمود الطحان کی "أصول التخريج ودراسة الأسانيد".
3. عبد الموجود عبد اللطیف کی "كشف اللثام عن أسرار تخريج أحاديث سيّد الأنام".
4. ڈاکٹر عبد المہدی عبد القادر کی "طرق تخريج الحديث النبوي".
5. شیخ بکر بن عبد اللہ أبو زید کی "التأصيل".

## مبحث ثالث : علم تخریج کے فوائد

احادیث میں سے صحیح احادیث کو ضعیف احادیث سے الگ کرنا، متقدمین ائمہ محدثین نے اس فائدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس ضمن میں علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الباب إذا لم تجمع طرقه لم يتبين خطأه"، یعنی اگر کسی روایت کے تمام طرق اکٹھے نہ کر دیئے جائیں تو اس کی سند و متن میں کسی قسم کی غلطی یا خطأ واضح نہیں ہو سکتی۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کے تیس طرق جب تک جمع نہ کر لئے جائیں تو اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہو سکتا۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث ایک دوسرے کی

تفسیر وتشریح کرتی ہیں، اس سے جیسے متن مراد ہے اسی طرح سند بھی مراد ہے، یعنی جس طرح متون ایک دوسرے کی تفسیر وتوضیح کرتے ہیں اسی طرح اسانید بھی ایک دوسرے کی تفاسیر وتوضیح کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ جو ضمنی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان میں سے:

أ. ان احادیث کی معرفت جن پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ احادیث جن پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

ب. ان احادیث کی معرفت جن سے احکام کا استنباط ہوتا ہے اور وہ احادیث جن سے کسی قسم کا حکم مستنبط نہیں کیا جاسکتا۔

ت. ان احادیث کی معرفت جن کے ذریعے سے ہمیں کسی قسم کے صحیح عقیدہ کا پتہ چلتا ہے اگر وہ حدیث صحیح ہو اور اس میں کسی قسم کے عقیدہ سے متعلق ذکر ہو، یا کسی ضعف کی وجہ سے غلط عقائد والی احادیث کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے۔

ث. احادیث کی حفاظت اور تاقیامت انہیں محفوظ رکھنا۔

اس کے علاوہ بھی کثیر فوائد ہیں تاہم یہ اساسی اور بنیادی فوائد ہیں۔

## مبحث رابع: تخریج کے مراتب کا تفاوت

**اول:** "تخريج مطوّل"، اس سے مراد وہ طریقہ تخریج ہے جس میں تمام اسانید وطرق کا استیعاب کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اس مصنف کا نام ذکر کیا جائے جس نے حدیث ذکر کی ہو اور اس کی مکمل سند ذکر کی جائے، اس کے ساتھ ساتھ حدیث کے تمام طرق کے راویوں کے مکمل احوال ذکر کیے جائیں، اسے تخریج طویل کہا جاتا ہے۔ تاہم یہ طریقہ کار ضخیم کتب حدیثیہ کے ساتھ بہت دشوار ہوتا ہے۔ یہ اس صورت میں زیادہ قابل عمل ہوتا ہے جب کسی ایک حدیث کے بارے میں کوئی باحث و محقق الگ سے تصنیف تحقیق کا ارادہ رکھتا ہو۔

**ثانی:** "تخريج مختصر"، اس سے مراد وہ تخریج ہے جس میں صرف اس مصنف کی طرف انتساب کیا جائے جس نے مذکورہ حدیث کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث پر

حکم بھی لگائے، جیسا کہ امام ابن الملقن رحمہ اللہ نے "خلاصة البدر المنیر" میں اسلوب اختیار کیا۔ جس میں امام موصوف عموماً اس طرح ذکر کرتے پائے جاتے ہیں: "أخرجه البخاري ومسلم"، اور اس صورت میں وہ صرف انتساب کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ یا مثال کے طور پر "أخرجه الترمذي" ذکر فرماتے ہیں، تاہم اس صورت میں وہ "صححه" کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں اگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح فرمائی ہو۔ یہی طریقہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتب میں بھی واضح طور سے پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر "صحیح الجامع الصغیر"، "ضعیف الجامع الصغیر" اور "صحیح الترغیب والترھیب" یا اس جیسی دیگر مختصر کتب میں انہوں نے یہ منہج اختیار فرمایا ہے۔

**ثالث:** "تخریج متوسط"، توسط کے مختلف امور ہو سکتے ہیں، اس سے مراد عمومی طور سے یہ ہوتا ہے کہ باحث و محقق کسی بھی روایت کے مختلف طرق ذکر کرتے وقت مدار سند کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے شاگردوں کے مابین متون واسانید میں اختلاف کو بیان کرتا جائے۔

مثال کے طور پر مدار سند اگر امام زہری رحمہ اللہ ہے اور اس سے روایت کرنے والے اس کے کثیر تعداد میں شاگرد ہیں جنہوں نے اپنے اپنے طرق سے سند و متن کے الفاظ نقل کئے ہیں، تو باحث تخریج کرتے وقت ہر شاگرد کے نقل کئے گئے متون و اسانید کے اختلاف کو الگ الگ ذکر کرتا جائے، اور موافقت و مخالفت کرنے والے شاگردوں کو مستقل سے الگ ذکر کرتا جائے۔ اس کے بعد ان تمام طرق میں سے راجح طریق کو قرائنِ ترجیح کی روشنی میں الگ کر بیان کرے۔ اور ہر طریق کا الگ حکم بیان کرے۔

یہ طریقہ تخریج انتہائی فائدہ کا حامل طریقہ ہے، اس اسلوب و طریقہ کو استعمال کرنے والوں میں سے امام دارقطنی رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے "العلل الواردة فی الاحادیث النبویة" میں اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کا منہج واسلوب انتہائی فائدہ مند ہے جس میں وہ مختلف طرق و اسانید کو ذکر کرتے ہیں۔ اور متون و اسانید میں اختلاف کو تفصیل کے ساتھ بخوبی واضح کرتے ہیں، جس کسی بھی باحث کو اس طریقہ سے دلچسپی ہو تو اسے امام دارقطنی کی کتاب العلل کا لازمی مطالعہ کرنا چاہئے۔

## مبحث خامس: تخریج حدیث کے سلسلے میں طلاب علم کو ضروری نصائح

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ کسی معین کتاب کی تحقیق کرتے وقت احادیث کی تخریج، اور تخریج کے بارے میں کوئی مستقل کتاب کی تالیف کے وقت ان دونوں کے درمیان فرق ملحوظ خاطر رکھے۔

کیونکہ تحقیق کرتے وقت محقق کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ انتہائی طور سے توسع اختیار کرے، بلکہ یہی کافی ہے کہ وہ تخریج میں اس حد تک اشارہ کردے جس کی وجہ سے اس حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچنا آسان ہو، جس میں اس حدیث پر حکم کا ہونا شامل ہے، تواگر حدیث صحیحین میں موجود ہے تو ان کی طرف انتساب کافی ہوگا، یا کسی مشہور محدث وامام نے اس کی تصحیح فرمائی ہے تو اس کی تخریج کے بعد اس پر حکم کافی ہے۔

تاہم اگر کسی قسم کا خلاف پایا جائے تو اس کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہوگا جس کے بعد مختصر طور سے ترجیح کی طرف بھی اشارہ کردیا جائے، جب کہ اگر فن تخریج میں مستقل طور سے کتاب تالیف کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اوپر مذکورہ اسالیب میں سے کوئی بھی اسلوب اختیار کرلے، تاہم اس صورت میں تخریج متوسط ہمیشہ مطلوب ومقصود رہے گی۔

طالب علم کے لئے اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ وقت کے ضیاع سے بچنے کی مکمل کوشش کرے، اسی طرح تخریج احادیث کے وقت کتب حدیثیہ کی طرف کثرت انتساب سے بھی اجتناب کی کوشش کرے، جیسا کہ "حمزة الكناني" کے قصہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایک حدیث کو سو مختلف طرق سے ذکر کیا، جس کے بعد انہوں نے یحیی بن معین رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کے تحت داخل نہ ہوجاؤ "أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ".
لہٰذا کثرت مصادر ومراجع کی بدولت عالم وجاہل میں فرق نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کثرت مصادر ومراجع سے منتخب مواد کی بناء پر عالم وجاہل کا فرق کیا جاتا ہے۔

وہ احادیث جن کی تخریج کے ذریعے خدمت کی گئی ہے، اور خصوصاً احکام سے متعلق احادیث کہ جن

کی اہل علم کی جانب سے عرصہ دراز سے بہت زیادہ خدمت کی گئی ہے، ان کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھنا چاہئے کہ اب ان کے بارے میں کسی قسم کی تخریج میں اصافہ ممکن نہیں، کیونکہ اس بات کا امکان بہر حال موجود ہے کہ اس پر اضافہ کیا جائے یا ترجیح کی صورت میں کوئی نئی تحقیق سامنے لائی جائے۔

لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ باحث اگر "نصب الراية" میں سے امام زیلعی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ حدیث نقل کرے، تو یہاں اس بات پر اکتفاء کافی رہے گا کہ باحث حدیث پر حکم ذکر کردے، اور کہے: "انظر : نصب الراية"، اس صورت میں اگر باحث کی تحقیق کے مطابق "نصب الراية" کی تخریج پر کوئی اضافہ ممکن ہو تو اسے ذکر کردے، لیکن یہ بالکل بھی مناسب نہیں رہے گا کہ امام زیلعی رحمہ اللہ نے جو طوالت تخریج میں اختیار کی ہے وہی باحث و محقق دوبارہ ذکر کر کے قاری اور صاحب مطالعہ کے لئے تھکا دینے والا عمل اختیار کرے، بس اتنا اس کے لئے کافی رہے گا کہ امام زیلعی رحمہ اللہ کی تخریج کی طرف اشارہ کر کے آگے اپنی تحقیق کے مطابق کوئی اضافہ ہو تو اسے ذکر کردے۔ لہٰذا متقدمین یا متاخرین و معاصرین کی جہود کو دوبارہ نقل کرنا مناسب نہیں ہوگا اگر اپنی طرف سے کسی قسم کا کوئی اضافہ مقصود نہ ہو۔ اور یہی امانت علمی ہے۔ باحث کے لئے بھی اس میں آسانی ہے کیونکہ اگر متقدمین نے کسی حدیث کی خدمت کی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔
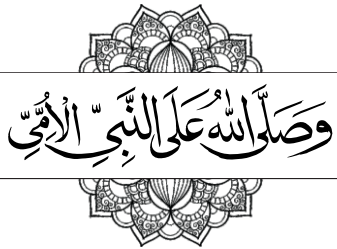
وصلى الله على النبي الأمي
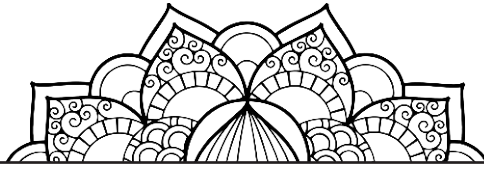
## حصہ أول: تخریج حدیث کے طرق

**فصل اول :** کسی بھی حدیث کی سند کو دیکھتے ہوئے اس کی تخریج کرنا

**مبحث اول:** صحابی کی معرفت کے ذریعہ سے

**مبحث ثانی:** سند میں مذکور رواۃ کی معرفت کے ذریعے

**مبحث ثالث:** سند کی کسی صفت کے ذریعے

**فصل ثانی :** کسی بھی حدیث کے متن کو دیکھتے ہوئے اس کی تخریج کرنا

**مبحث اول:** متن کے اطراف کے ذریعے

**مبحث ثانی :** متن میں وارد شدہ ظاہر وواضح کلمات کے ذریعے

**مبحث ثالث :** متن کے موضوع کے ذریعے

**مبحث رابع :** متن کی صفت کے ذریعے

**فصل ثالث :** جدید معاصر آلات کو استعمال کرتے ہوئے حدیث کی تخریج کرنا

**فصل رابع :** کتب حدیثیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے کسی بھی حدیث کی تخریج کرنا

## حصہ دوم: دراسہ اسانید

پہلا مرحلہ: مطلوبہ روایت کے تمام طرق کی تخریج

دوسرا مرحلہ: مطلوبہ روایت کے تمام طرق کا نقطہ اختلاف واتفاق (مدار سند سے)

تیسرا مرحلہ: راویان سند کے أحوال وتراجم

چوتھا مرحلہ: اسانید اور متون میں راویوں کے اختلاف کو زیر تحقیق لانا

پانچواں مرحلہ : سند پر حکم لگانا

چھٹا مرحلہ: متابعات وشواہد دیکھتے ہوئے حدیث پر حکم لگانا
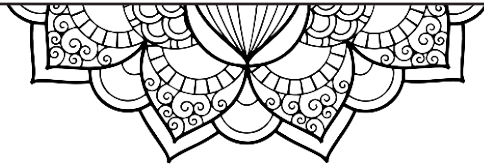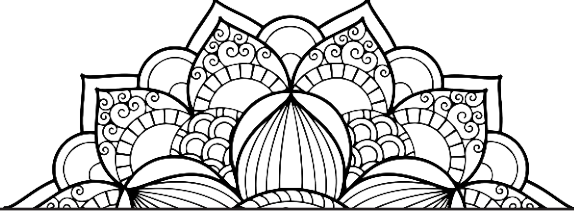
# حصہ أول: تخریج حدیث کے طرق

فصل اول : کسی بھی حدیث کی سند کو دیکھتے ہوئے اس کی تخریج کرنا

مبحث اول : صحابی کی معرفت کے ذریعہ سے

مبحث ثانی : سند میں مذکور رواۃ کی معرفت کے ذریعے

مبحث ثالث: سند کی کسی صفت کے ذریعے
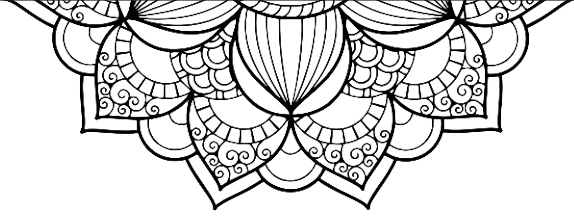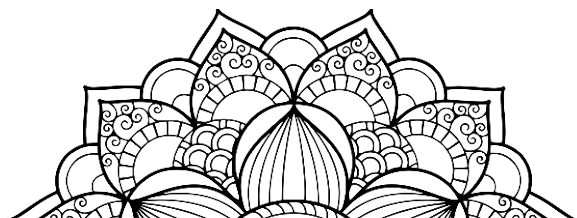
## حصہ أول: تخریج حدیث کے طرق

فصل ثانی : کسی بھی حدیث کے متن کو دیکھتے ہوئے اس کی تخریج کرنا

مبحث اول : متن کے اطراف کے ذریعے

مبحث ثانی : متن میں وارد شدہ ظاہر و واضح کلمات کے ذریعے

مبحث ثالث : متن کے موضوع کے ذریعے

مبحث رابع : متن کی صفت کے ذریعے
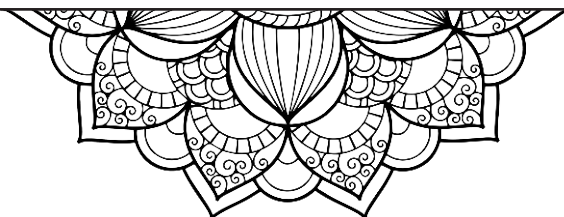
# حصہ اول: تخریج حدیث کے طرق

## فصل اول: کسی بھی حدیث کی سند کو دیکھتے ہوئے اس کی تخریج کرنا

کسی بھی حدیث کے مصدرِ اصلی تک پہنچنے کے لئے پہلا طریقہ اس حدیث کی سند کو زیر غور لایا جانا ہوتا ہے، یعنی اس حدیث کی سند میں کچھ امور ایسے ہوں گے جن کو مد نظر رکھا جائے تو اس حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔

اس طریقہ کے تحت کئی فروعی اسالیب وطرق مندرج ہیں:

### مبحث اول: سند میں مذکور صحابی کی معرفت کے ذریعہ سے تخریج حدیث

یعنی کسی بھی حدیث کی سند کو مد نظر رکھ کر اگر اسے کتب حدیثیہ میں تلاش کرنا مقصود ہو تو اس سند کی وجہ سے حدیث تلاش کرنے کے مختلف طریقوں میں سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس سند کے آخری راوی یعنی صحابی کی معرفت کے ذریعے حدیث کو کتب حدیثیہ سے نکالنا اور تخریج کرنا، تو جب باحث کو یہ معلوم ہو کہ مذکورہ حدیث کس صحابی سے مروی ہے تو اس کے لئے کتب حدیثیہ میں سے مذکورہ حدیث کو نکالنا آسان ہوتا ہے، صحابی کے نام کی معرفت کی بناء پر احادیث کی تخریج کے سلسلے میں جو کتب معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہیں ان میں:

- "المسانید"، ہیں اور اسی طرح وہ کتب جو کہ مسانید کی طرز پر مرتب کی گئی ہیں۔

مسانید ان کتب کو کہا جاتا ہے، جن میں صاحبِ کتاب نے احادیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کی ترتیب سے ذکر کیا ہو، پھر اس کے بعد ہر مسند کے مؤلف کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے، بعض ان میں سے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو مقدم کرتے ہیں جن کی روایات بکثرت ہوں یعنی وہ صحابی مکثرین روایت میں سے ہو، بعض ان میں سے ان صحابہ کی روایات کو مقدم کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اور قرابت میں مقدم ہوں، جب کہ بعض ان میں سے ان صحابہ کی روایات کو مقدم کرتے ہیں جو فضیلت میں بڑھے ہوئے ہوں، جب کہ بعض دیگر مؤلفین صحابہ کی روایات ذکر کرتے وقت ان کے بلاد/شہروں

کو مدنظر رکھتے ہیں، جب کہ کئی مسانید ایسی ملیں گی جس میں مؤلف نے اوپر مذکورہ اسالیب میں سے دو یا زیادہ اسالیب کو ایک ہی کتاب میں جمع کیا ہوگا۔

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے، یعنی وہ اس کتاب کو عشرہ مبشرہ کی روایات سے ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اہل بیت کی روایات ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد وہ مکثرین صحابہ کی روایات کو زیر بحث لاتے ہیں، اس کے بعد وہ بلاد/ شہروں کو مدنظر رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ "مسانيد المكيين" اور "الشاميين" ذکر کرتے ہیں جب کہ أنصاری صحابہ کی روایات کے لئے انہوں نے بطور خاص مسند ذکر کی ہے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر لکھی جانے والی کتب "المسانيد" بھی کثرت سے ہیں، جن میں سب سے بہترین اور بلند پایہ کتاب "مسند الإمام أحمد بن حنبل" ہے، اسی طرح مطبوع مسانید میں سے مسند أحمد کے علاوہ "مسند أبي يعلى"، "مسند البزار"، "مسند الحميدي"، "المنتخب من مسند عبْد بن حُميد"، "مسند أبي داود الطيالسي" اور "مسند إسحاق بن راهوية " کے بقایا حصے اور اسی طرح "مسند ابن أبي شيبة" کے بقایا حصے شامل ہیں۔

یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کتب حدیثیہ میں سے کئی کتب ایسی ہیں جو کہ مسانید کے نام سے موسوم ہیں تاہم وہ مسانید کی مذکورہ بالا ترتیب کے موافق مرتب نہیں کی گئیں، مثال کے طور پر "المسند للدارمي"، جو کہ "سنن الدارمي" کے نام سے مشہور ہے، اور اس کا صحیح نام "المسند" ہے، جیسا کہ جلیل القدر أئمہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے، کہ وہ فقہی أبواب کی ترتیب کے ساتھ مدون ہے۔ اسی طرح "مسند السرّاج" بھی فقہی أبواب کی ترتیب سے مدون ہے اور اس کا نام "المسند" ہے۔ "مسند عبد الله بن المبارك" بھی اسی سلسلے کی تیسری کتاب ہے۔

اسی طرح بعض کتب مسانید کی ترتیب سے تالیف کی گئی ہیں، لیکن انہیں "المسانيد" کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا، جیسا کہ شیخ ضیاء المقدسی رحمہ اللہ کی "الأحاديث المختارة" کا حال ہے، یہ ان

کتب میں سے ہے جن کی ترتیب میں "الصحة" کی شرط کا لزوم و لحاظ رکھا گیا ہے۔ جب کہ اس کی ترتیب "المسانید" کی طرز پر ہے، لیکن اس کا نام مسند نہیں ہے۔ اسی طرح امام دارقطنی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" بھی "المسانيد" کی ترتیب سے مرتب ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی "جامع المسانيد" جو کہ بہت بڑی ضخیم کتاب ہے اور مطبوع شکل میں ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، یہ بھی "المسانيد" کی ترتیب سے مرتب ہے۔ انہی کتب میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی "الجامع الكبير" شامل ہے۔

- صحابہ کے نام کی معرفت کے ذریعے جو کتب حدیث کی تلاش میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں ان میں دوسرے نمبر پر "المعاجم المرتبة على أسماء الصحابة" ہیں۔

یعنی وہ معاجم جو کہ صحابہ کے ناموں کی ترتیب سے مدون کی گئی ہوں، ان کتب کو مسانید کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے، لیکن چونکہ انہیں الگ سے مستقل اصطلاح کے ساتھ تالیف کیا گیا ہوا ہے یعنی "المعجم" تو اس وجہ سے انہیں الگ فہرست میں رکھا جاتا ہے، لیکن چونکہ ان میں مذکور احادیث کی ترتیب میں صحابہ کے ناموں کو حروف معجم کے لحاظ سے مدنظر رکھا گیا ہوتا ہے، تو صحابہ کے نام کے مطابق احادیث کی ترتیب کی بناء پر ان کتب کے ذریعے کسی بھی صحابی کی روایت کو تلاش کرنا اور اس کی تخریج کرنا آسان ہو سکتا ہے، اس سلسلے کی سب سے وسیع اور بہترین کتاب امام طبرانی رحمہ اللہ کی "المعجم الكبير" ہے۔ اسی طرح عبد الباقی بن قانع رحمہ اللہ کی "معجم الصحابة" بھی اسی ترتیب میں ہے۔ اسی طرح أبو القاسم البغوی رحمہ اللہ کی "معجم الصحابة" بھی اسی سلسلے کی کتاب ہے۔

- صحابي کے نام سے حدیث کی تخریج میں معاون کتب میں سے تیسرے نمبر پر "كتب معرفة الصحابة المسندة" کتب ہیں، مثال کے طور پر امام ابن أبي عاصم رحمہ اللہ کی "الآحاد والمثاني"، امام ابن منده رحمہ اللہ کی "معرفة الصحابة" اور امام أبو نعیم أصبهانی رحمہ اللہ کی "معرفة الصحابة" یہ کتب صحابي کے احوال کے تحت ان کی بعض

روایات ذکر کرتی ہیں۔

- اس سلسلے کی چوتھی نمائندہ کتب "كتب الأطراف" ہیں، اور ان میں مشہور ترین امام مزی رحمہ اللہ کی " تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف" ہے جس میں انہوں نے مشہور کتب ستہ کی احادیث کے أطراف ذکر کئے ہیں اور انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ کی "إتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة بأطراف الكتب العشرة "بھی شامل ہے۔اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ کی "إطراف المسْنِد المعتلي بأطراف المسند الحنبلي "بھی اسی ترتیب سے مدون کتاب ہے۔
- اس سلسلے کی پانچویں نمائندہ کتب میں "الكشافات والفهارس" میں سے وہ کتب ہیں جن میں محققین نے صحابہ کی مسانید کی ترتیب کے لحاظ سے احادیث کو مرتب کیا ہو، ان میں مستدرک حاکم کے لئے بنائی گئی فہارس اور سنن دارقطنی کے لئے ترتیب دی گئی فہارس سر فہرست ہیں۔
- چھٹے نمبر پر "مسانيد الصحابة المفردة" ہیں، ان سے مراد وہ کتب ہیں جو کہ مؤلفین نے کسی معین صحابي کی روایات ایک جگہ جمع کرنے کے واسطے لکھی ہوں، یا پھر وہ کتب شامل ہیں جو مسانید کی طرز پر لکھی گئی ہوں لیکن اس کامل مسند میں سے ہم تک صرف کسی ایک صحابي کی مسند ہی پہنچی ہو، یا بعض صحابہ کی مسانید پہنچی ہوں۔

ان میں سے مطبوع شکل میں ہمارے پاس أبو بکر المروزی رحمہ اللہ کی "مسند أبي بكر الصديق"، امام نجاد رحمہ اللہ کی "مسند عمر" کا کچھ حصہ، ابن کثیر رحمہ اللہ کی "مسند الفاروق" اور معاصر علماء میں سے یوسف أوزبک رحمہ اللہ کی "مسند علي بن أبي طالب" موجود ہیں۔اسی طرح امام الدورقی رحمہ اللہ کی "مسند سعد بن أبي وقاص"، امام برتی رحمہ اللہ کی "مسند عبد الرحمٰن بن عوف"، إسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کی "مسند عائشة" اور أبو أمیہ الطرسوسی رحمہ اللہ کی "مسند ابن

عمر" بھی قابل ذکر ہیں۔

- اس سلسلے کی ساتویں نمائندہ کتب جو کہ تخریجِ حدیث کے سلسلے میں صحابی کے نام کی معرفت کے ذریعے تعاون فراہم کرتی ہیں وہ کتب ہیں جو کہ راویوں کے احوال و جرح وتعدیل پر مشتمل ہوں اور ان کے ضمن میں ان راویوں کی بعض احادیث بھی ذکر کی گئی ہوں۔

اصطلاح محدثین میں ان کتب کے لئے "کتب تراجمِ رجال" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، بشرطیکہ ان کتب میں صحابہ کے تراجم کو بھی ذکر کیا گیا ہو، مثال کے طور پر أبو نعیم رحمہ اللہ کی "ذکر أخبار أصبهان"، جس میں وہ مقدمہ کے تحت ان صحابہ کو ذکر کرتے ہیں جو أصبہان تشریف لائے تھے اور ان کی بعض احادیث کو بمعہ اسانید ذکر کرتے ہیں، اسی طرح ابن عساکر رحمہ اللہ کی "تاریخ دمشق"، جس میں انہوں نے معاویہ بن أبو سفیان رضی اللہ عنہ کی کثیر تعداد میں احادیث نقل کی ہیں، اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کی "التاریخ الکبیر" بھی ہے جس میں وہ صحابی کے ترجمہ کے تحت اس کی احادیث ذکر کرتے ہیں، جن کا مقصد عموماً اس حدیث کی علت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

## مبحث ثانی: سند میں مذکور رواۃ کی معرفت کے ذریعے سے تخریج حدیث

سند کو دیکھتے ہوئے کسی حدیث کی تخریج کرنے کا دوسرا فرعی طریقہ اس سند میں ذکر شدہ راوی کے ذریعے سے حدیث تک پہنچنا ہے، یعنی اس سند میں دیکھا جائے گا کہ کون کون سے راوی مذکور ہیں ان راویوں کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی راوی کے ذریعے حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچا جا سکتا ہے، اس طریقہ میں جو کتب معاونت پہنچاتی ہیں ان میں:

مذکورہ راوی کی کتب و مصنفات، یعنی مطلوبہ حدیث کی سند میں جو راوی موجود ہیں ان میں سے کسی راوی نے اپنی روایات کو الگ سے اپنی مستقل تصنیف میں ذکر کیا ہو، تو اس کتاب میں اس حدیث کو تلاش کیا جائے گا، ممکن ہے وہ اس کتاب میں موجود ہو۔

مثال کے طور پر اگر کسی سند میں ہمیں امام احمد رحمہ اللہ نظر آئیں تو ہم اس حدیث کی تخریج کے لئے

امام أحمد رحمہ اللہ کی مسند کی طرف رجوع کریں گے ، اگر وہ صحابہ کی فضیلت سے متعلق حدیث ہو تو وہ ان کی کتاب "فضائل الصحابة" میں پائی جائے گی، اور اگر زہد سے متعلق روایت ہو تو وہ امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب "الزهد" میں پائی جاسکتی ہے۔

اگر باحث ومحقق کو اسانید کے بارے میں مکمل استحضار ہو یا کسی بھی کتاب کی سند کے بارے میں اسے مکمل علم حاصل ہو اور اس کتاب کے مؤلف سے روایت کرنے والے راویان حدیث کو بھی جانتا ہو تو اس صورت میں بھی کسی بھی حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچنا بہت آسان اور سرعت کے ساتھ ہوتا ہے، مثال کے طور پر اگر امام بغوی رحمہ اللہ کی سند میں امام ترمذی رحمہ اللہ پائے جائیں تو اگر وہ حدیث "الهيثم بن كليب الشاشي" نے روایت کی ہو تو لازمی طور سے یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کی "الشمائل المحمدية" میں پائی جائے گی۔کیونکہ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ سے روایت کرنے والا "الهيثم بن كليب الشاشي" ہے، لیکن اگر یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ سے "المحبوبي" نے روایت کی ہو تو مطلوبہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کی "الجامع" میں پائی جائے گی۔

اسی طرح اس کی مثال امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی کتب ہیں، اگر امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والا "سعيد بن رحمة" ہو تو یہ حدیث امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کی "الجهاد" میں پائی جائے گی، اور اگر ان سے روایت کرنے والا "الحُسّين بن الحسن المروزي" ہو تو یہ روایت یا تو "الزهد" میں پائی جائے گی اور یا "البر والصلة" میں اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح اگر راوی "نُعيم بن حماد" ہو تو یہ حدیث "الزهد برواية ابن حماد" میں پائی جائے گی، جب کہ اگر روایت کرنے والا "حبّان بن موسى" ہو تو یہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ کی "المسند" میں پائی جائے گی۔

اسی طرح کی صورتحال "ابن أبي الدنيا" کی کتب کے ساتھ بھی ہے، ان کے طریق سے کئی ائمہ محدثین احادیث کی تخریج کرتے ہیں ، جن میں امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔تو اگر "ابن أبي الدنيا" کی کتب کے ساتھ باحث ومحقق کو ممارست ہو تو اس کے لئے آسان ہوتا ہے کہ وہ

تعین کرے کہ امام حاکم رحمہ اللہ یا امام بیہقی رحمہ اللہ نے مطلوبہ حدیث "ابن أبي الدنیا" کی کس کتاب سے نقل کی ہے۔ لہذا اسند کے راویوں کو بغور دیکھنا اور ان کی کتب پر معرفت اس طریقہ تخریج میں کافی معاون ثابت ہوتا ہے۔

- اس طریقہ تخریج میں دوسرے نمبر پر نمائندہ کتب جو معاون ثابت ہو سکتی ہیں وہ "الأجزاء" ہیں اور اس کے علاوہ وہ کتب جو کہ کسی ایک معین راوی کی احادیث پر مشتمل ہوں۔

مثال کے طور پر امام "علي بن الجعد الجوهري" کی احادیث پر مشتمل کتاب جو کہ "الجعدیات" کے نام سے مشہور ہے، جسے أبو القاسم البغوی رحمہ اللہ نے تصنیف کیا۔ تو اگر کسی باحث کے سامنے کوئی حدیث پیش ہو جس کی سند میں "علي بن الجعد" موجود ہو تو اسے "الجعدیات" کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ اسے مذکورہ کتاب میں مل جائے گی۔ اگر مطلوبہ روایت "أبي القاسم البغوي" سے بطریق "علي بن الجعد" منقول ہو تو یقینی طور سے وہ اسے "الجعدیات" میں مل جائے گی۔

انہی کتب میں امام "الفاکهي" کی "حديث ابن أبي مسرّة" بھی ہے، اور "أبي الشيخ الأصبهاني" کی "حديث علي بن حُجُر عن إسماعيل بن جعفر المدني" اور "حديث أبي الزبير عن غير جابر" بھی شامل ہیں۔

اسی طرح مذکورہ طریقہ تخریج میں وہ اجزاء حدیثیہ بھی شامل ہیں جو کہ کسی ایک راوی کی روایات کے بارے میں تصنیف کئے گئے ہوں، مثال کے طور پر "جزء الحسن بن عرفة"، "جزء بِيْبِي بنت عبد الصمد الهرثمية"، "وكيع عن الأعمش"، اسی طرح "صحيفة همّام" اور "صحيفة سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة" جو کہ مطبوع صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔

- اس طریقہ تخریج میں تیسرے درجہ پر نمائندہ کتب "الفوائد والأمالي" ہیں، جو کہ ان کے مؤلفین کی طرف منسوب ہوتی ہیں، مثال کے طور پر أبو بکر الشافعی رحمہ اللہ کی

"الفوائد الغيلانيات"، "أمالي المحاملي" اور "أمالي الشجري الزيدي". اسی طرح "فوائد أبي طاهر المخلّص" قابل ذکر ہیں۔

- چوتھے درجہ پر نمائندہ کتب میں سے محقَق کتب کی وہ فہارس شامل ہیں جو کہ سند کے راویوں اور مشہور شیوخ پر مشتمل ہوں، کئی محققین ایسے ہیں جو اپنی تحقیق کے آخر میں فہارس شامل کرتے ہیں جن میں وہ مذکورہ کتاب میں وارد شدہ راویوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔
- اسی طرح تراجم رجال پر مشتمل کتب بھی مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کی "التاريخ الكبير"، اس کے ساتھ ساتھ ضعیف راویوں کے حالات پر مشتمل کتب جیسے امام ابن حبان رحمہ اللہ کی "معرفة المجروحين"، امام ابن عدی رحمہ اللہ کی "الكامل" اور امام عقیلی رحمہ اللہ کی "الضعفاء".

تو اگر کوئی باحث کسی ایسی حدیث کو تلاش کر رہا ہو جو کہ "محمد بن السائب الكلبي" کے طریق سے منقول ہو جو کہ کذب کی تہمت سے متّصف راوی ہے، تو اسے فوراً امام عقیلی رحمہ اللہ کی "الضعفاء" کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ممکن ہے اس کتاب میں وہ مل جائے۔ اور اگر کسی سند میں کوئی راوی دمشقی یا شامی موجود ہو تو باحث کو تاریخ بغداد یا تاریخ دمشق کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، جن میں مطلوبہ روایت ملنے کا قوی امکان ہے۔

اسی طرح کئی ایسی کتب بھی تصنیف کی گئی ہیں جو کسی ایک راوی کے احوال پر مشتمل ہوتی ہیں تو ایسی کتب بھی اس طریقہ تخریج میں انتہائی طور سے معاون ثابت ہوتی ہیں مثال کے طور پر امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی "ترجمة عمر بن عبد العزيز" اور "ترجمة معروف الكرخي" جس میں انہوں نے مذکورہ راویوں کی بعض احادیث ذکر کی ہیں۔

- چھٹے درجہ پر نمائندہ کتب میں وہ کتبِ اَطراف شامل ہیں جن کی ترتیب میں اس کے مؤلف نے انتہائی دقت تحقیق کا مظاہرہ کیا ہو۔

مثال کے طور پر امام مزی رحمہ اللہ کی "تحفة الأشراف"، یہ کتاب اگرچہ انہوں نے مسانید کی طرز پر مرتب فرمائی ہے، تاہم انہوں نے صحابہ سے روایت کرنے والے راویوں کو حروف معجم کے اعتبار سے ذکر کیا ہے، اسی طرح اگر صحابی سے روایت کرنے والا تابعی اس صحابی سے بکثرت روایت کرنے والا ہو تو پھر اس تابعی کے راویوں کو بھی وہ ترتیب سے ذکر کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات دقت تحقیق کے پیش نظر وہ راویوں کے چوتھے طبقہ تک بھی اسی حروف معجم کی ترتیب سے احادیث کو ذکر کرتے پائے جاتے ہیں۔

- ساتویں درجہ پر نمائندہ کتب میں وہ تصانیف شامل ہیں جو کہ کسی ایک راوی کی کسی خاص صفت کے اعتبار سے تصنیف کی گئی ہوں۔

مثال کے طور پر اگر باحث کو کتب ستہ کے کسی راوی کی حدیث کی تخریج کرنا ہو تو اس صورت میں اسے "تهذيب الكمال" کی طرف رجوع کرنا مناسب رہے گا، ممکن ہے امام مزی رحمہ اللہ نے "تهذيب الكمال" میں اس راوی کی مطلوبہ حدیث کو ذکر کیا ہو۔

اسی طرح اگر راوی ضعیف ہو تو ان کتب کو رجوع کرنا مناسب رہے گا جن میں ضعیف راویوں کے احوال بیان کئے گئے ہوں، اور اگر راوی کا نام دوسرے راویوں کے ناموں سے مشابہت رکھتا ہو تو اس صورت میں "المتفق والمفترق" جیسی کتب کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جس میں امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ان راویوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کے ناموں میں اختلاف ہو چکا ہے اور ان کی اسانید کے ساتھ ان کی روایات بھی ذکر کرتے ہیں۔

اگر کسی راوی کا نام لکھنے میں کسی دوسرے راوی کے نام کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو اور نطق و تکلم میں مختلف ہو تو اس کی احادیث کو تلاش کرنے کے واسطے "علم المؤتلف والمختلف" جیسے فن میں لکھی گئی کتب کی طرف رجوع بھی مناسب رہے گا۔ اس کے نتیجے میں باحث امام دارقطنی رحمہ اللہ کی "المؤتلف والمختلف" کی طرف رجوع کرے گا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے مطلوبہ حدیث وہاں ذکر کی ہو۔ اسی طرح اگر راوی کنیت سے مشہور ہو تو کتب "الكنى والأسماء" کی طرف رجوع کرنا ہوگا، مثال

کے طور پر أبو أحمد الحاکم رحمہ اللہ کی "الكنى والأسماء" اور امام دولابی رحمہ اللہ کی "الكنى والأسماء".

اور اگر راوی زہد و تصوف میں معروف ہو تو ان صفات سے متعلق کتب کی طرف رجوع کرنا ہوگا مثال کے طور پر أبو نعیم رحمہ اللہ کی "حلية الأولياء" اور أبو عبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی "طبقات الصوفية". ان کتب میں مذکورہ صفات سے متّصف راویوں کی روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔

- سند میں موجود راوی کے لحاظ سے حدیث کو تلاش کرنے میں معاون کتب میں وہ تصانیف بھی شامل ہیں جن کتب میں اس کے مصنف نے دیگر احادیث کے ساتھ ساتھ کسی ایک معین راوی کی تمام احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہو۔

مثال کے طور پر امام بیہقی رحمہ اللہ کی "معرفة السنن والآثار"، جس میں انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی مکتوب تمام احادیث کو بالاستیعاب ذکر کیا ہے، تو اگر باحث کو امام شافعی رحمہ اللہ کی کسی حدیث کی تخریج مطلوب ہو تو اسے سنن بیہقی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

- نویں درجہ پر نمائندہ کتب میں سے وہ تالیفات ہیں جو کہ راوی نے اپنی کسی خاص معین شیخ کی احادیث کی بابت تصنیف کی ہوں۔

مثال کے طور پر اگر باحث کو کسی ایسی حدیث کی تخریج مطلوب ہو جس میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ موجود ہیں تو اسے "مسندالحميدي" کی طرف رجوع کرنا ہوگا جس میں انہوں نے اپنے شیخ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی غالب احادیث کو ذکر کیا ہے۔ بلکہ اگر اس کتاب کو " مسند ابن عيينة " کا نام دیا جائے تو یہ مناسب رہے گا۔

اسی طرح اگر معمر بن راشد رحمہ اللہ کی حدیث مطلوب ہو تو "مصنف عبد الرزاق" کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جس میں بکثرت معمر بن راشد رحمہ اللہ کی روایات پائی جاتی ہیں۔ اور اگر روایت بطریق حاکم رحمہ اللہ مذکور ہو تو امام بیہقی رحمہ اللہ کی مصنفات میں اسے پانا آسان ہوگا جو کہ امام حاکم رحمہ اللہ کی روایات کو اختصاص کے ساتھ ذکر کرنے میں معروف ہیں۔

## مبحث ثالث: سند کی کسی صفت کے ذریعے تخریج حدیث

سند کو دیکھتے ہوئے کسی حدیث کی تخریج کرنے کا تیسرا فرعی طریقہ اس سند سے متعلق کسی قسم کی صفت کو مدنظر رکھنا ہوتا ہے، یعنی اس سند کی کوئی ایسی خاص صفت ہو جس کی بناء پر کتب حدیثیہ میں اس کو تلاش کرنا آسان ہو، اس طریقہ واسلوب میں معاون کتب میں شامل ہیں:

وہ کتب جو کہ حدیث پر کسی قسم کے احکام سے متضمن ہوں، یعنی مصنف نے ان کتب میں اس بات کا التزام کیا ہو کہ اس کتاب میں حدیث کی فلاں قسم سے متعلق روایات جمع کی جائیں گی، اس صورت میں حدیث پر حکم یا تو سند و متن دونوں کو شامل ہوگا اور یا صرف سند کو شامل ہوگا۔

تو اگر کوئی حدیث "الصحۃ" کی صفت سے متّصف ہو، تو اس صورت میں باحث و محقق فوراً ان کتب کی طرف رجوع کرے گا جن کے مصنفین نے اپنی کتب میں صحت کی شرط کا التزام کیا ہو، اسی طرح اگر کوئی حدیث شدید ضعف کی صفت سے متّصف ہو تو باحث اس روایت کی تخریج کے لئے احادیث معلہ پر مشتمل کتب کی طرف رجوع کرے گا اور ان کتب کو توجہ دے گا جن میں ضعفاء کی روایات ذکر کی گئی ہوں۔

اسی طرح اگر کوئی حدیث "وضع" کی صفت سے سے متّصف ہو یعنی موضوع حدیث ہو تو پھر موضوعات پر لکھی گئی کتب کو رجوع کیا جائے گا جیسے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی "الموضوعات"، اگر حدیث مرسل ہو تو پھر "مراسیل" کتب کی طرف رجوع کیا جائے گا، جیسے أبوداود سجستانی رحمہ اللہ کی "المراسیل".

اگر حدیث کی سند میں ادراج کی صفت پائی جائے تو امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی "الفصل للوصل المُدرج في النقل" کی طرف توجہ دی جائے گی۔ یہاں امام سیوطی رحمہ اللہ کی "المِدْرَجُ إلی المدْرَجِ" کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ صرف متن میں ادراج پر مشتمل کتاب ہے۔ جبکہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی مذکورہ کتاب متن و سند دونوں میں ادراج پر مشتمل ہے۔

اسی طرح اگر کسی حدیث کی سند میں راویوں کے مابین اختلاف واقع ہوا ہو تو ان کا صحیح مقام "کتب العلل" ہیں۔ خصوصاً امام دارقطنی رحمہ اللہ کی "العلل الواردۃ فی الأحادیث النبویۃ"، اسی طرح امام ابن

أبي حاتم رحمہ اللہ کی "العلل" اور علی بن المدینی رحمہ اللہ کی "العلل" بھی قابل ذکر ہیں۔

- اس طریقہ تخریج کے مطابق دوسرے درجہ پر نمائندہ کتب میں "کتب مبھمات الإسناد" شامل ہیں۔

یعنی سند میں موجود راوی کی کسی قسم کی صفت کی بناء پر کسی حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچنے میں معاون مصادر میں وہ کتب شامل ہیں جو کہ مبہم راویوں کے احوال کے بارے میں تالیف کی گئی ہوں، تو سند میں موجود راویوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد اگر معلوم ہو کہ سند میں کوئی راوی مبہم موجود ہے، یعنی ایسا راوی ذکر ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا، مثلاً سند میں: "عن رجلٍ"، "عن أحد الناس"، "عن أحد المسلمین"، "حدثنا الثقة" یا "حدثنا من لا أتھمه" جیسے الفاظ ذکر کئے گئے ہوں، تو یہ تمام الفاظ سند میں ابہام پر دلالت کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں محدثین نے کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں اسانید میں مبہم راویوں کے احوال بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، مثال کے طور پر امام ابن بشکوال رحمہ اللہ کی "الغوامض والمبھمات" اور أبوزرعہ عراقی رحمہ اللہ کی "المستفاد من مبھمات المتن والإسناد"۔

- تیسرے درجہ پر نمائندہ کتب میں "کتب الغرائب والأفراد" شامل ہیں۔

ان میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کی "الغرائب والأفراد"، جس کے بہت قلیل اجزاء ہی اب موجود ہیں، تاہم امام ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ جو کہ ابن القیسرانی کے نام سے مشہور ہیں، ان کی کتاب "أطراف الغرائب والأفراد" مطبوع صورت میں پائی جاتی ہے، جنہوں نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی کتاب کو حاصل کیا اور اسے أطراف کی طرز پر "تحفة الأشراف" کی طرح مرتب کیا، اس کی تحقیق بھی ہو چکی ہے۔

اسی طرح وہ کتب جو کہ غریب احادیث کا اہتمام کرتی ہیں ان میں امام طبرانی کی "المعجم الأوسط" اور "المعجم الصغیر" شامل ہیں۔ ان دونوں میں غریب احادیث کو ذکر کیا گیا ہے، اس کے ساتھ وجہ غرابت کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح مسند بزار بھی اس فن کی نمائندہ کتاب ہے، جس میں

اسانید میں غرابت کو انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

- چوتھے درجہ پر نمائندہ کتب میں ”كتب الأحاديث المسلسلة“ شامل ہیں۔

تو اگر سند میں ایسے نام مسلسل ذکر ہوں جو کہ آپس میں مشابہت رکھتے ہوں مثال کے طور پر: ”علي عن علي عن علي“ یا ”أحمد عن أحمد عن أحمد“، اسی طرح دیگر راویوں کے نام جو آپس میں مشابہ ہوں، اس فن میں امام أبو موسىٰ المديني رحمہ اللہ کی کتاب ”نزهة الحُفّاظ“ موجود ہے، اس میں انتہائی عجیب و غریب مسلسل سند ذکر کی گئی ہے جس میں راوی کا نام حسن سات بار ذکر ہوا ہے، ”حسن عن حسن عن حسن عن حسن عن حسن عن حسن عن الحسن بن علي بن أبي طالب عن النبي ﷺ أنه قال: أحْسَنُ الحُسْنِ الخلقُ الحسن“. جب کہ حدیث موضوع ہے۔

اسی طرح کتبِ مسلسلات کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں، جیسا کہ عبد الباقي أيوبي رحمہ اللہ کی ”المناهل السَلْسَة في الأحاديث المسلسلة“. تسلسل سے مراد سند میں کسی صفت کا مکرر ذکر ہونا، جیسا کہ ہر راوی سند بیان کرتے وقت کہے کہ ”وهو أول حديث سمعته منه“، تو اس صورت میں یہ حدیث ”المسلسل بالأوليّة“ کہلائی جاتی ہے۔ یا سند میں راوی ایسے ہوں جن میں مسلسل ایک ہی صفت ہو جیسے سند میں دمشقی راوی مسلسل ذکر ہوں تو اسے ”مسلسل بالدمشقيين“ کہا جاتا ہے یا سند میں مسلسل راوی حنبلی، شافعی یا حنفی ہوں تو اسی طرح اس سند کو پکارا جائے گا۔ یا سند میں مسلسل کوئی ایک معین تحدیث کا صیغہ استعمال ہوا ہو مثال کے طور پر ہر راوی سند میں ”سمعتُ“ کا صیغہ استعمال کرتا جائے، تو اسے مسلسل بالسماع کہا جائے گا۔

اسی طرح ”مسلسل بالمصافحة“، ”مسلسل بقراءة سورة الصف“ بھی اس صنف میں شامل ہیں۔ مسلسلات کافی زیادہ ہیں تاہم علماء کے نزدیک ان کی اکثریت ضعیف ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ اگر حدیث مسلسل کے قبیل سے تعلق رکھتی ہو تو اس صورت میں خاص اس فن میں تصنیف کی گئی کتب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

## فصل ثانی: کسی بھی حدیث کے متن کو دیکھتے ہوئے اس کی تخریج کرنا

طرق تخریج میں سے دوسرا طریقہ کسی بھی حدیث کے متن کو دیکھتے ہوئے مصادر اصلیہ تک پہنچنا ہوتا ہے، یعنی متن کی کچھ صفات ایسی ہوں گی جن کو مدنظر رکھا جائے تو کسی بھی حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے، اس طریقہ کے تحت کئی فرعی اسالیب مندرج ہیں:

### مبحث اول: متن کے اطراف کے ذریعے تخریج حدیث

متن کے اطراف یعنی روایت شدہ متن کے ابتدائی حصہ یا کچھ کلمات کی بنیاد پر حدیث کی تخریج کرنا، اس طریقہ تخریج میں باحث کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے مطلوبہ حدیث یا متن کے تمام مختلف الفاظ کا استحضار ہو، مثال کے طور پر "إنما الأعمال بالنيات"، تو اس لحاظ سے باحث کے لئے ضروری ہے کہ مذکورہ روایت شدہ متن کے تمام محتمل الفاظ سامنے رکھے کیونکہ کلماتِ متن کی ابتداء میں معمولی سا اختلاف بھی تخریج حدیث کو مشکل بنا سکتا ہے، لہٰذا باحث و محقق کے سامنے مطلوبہ حدیث کے تمام کلمات موجود ہونا چاہئیں، جس کی بناء پر فہارس احادیث یا کوئی ایسی کتاب جس میں احادیث کے اطراف کی تمام صورتیں ذکر کی گئی ہوں، کی بدولت مطلوبہ حدیث تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔

اسی طرح اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات کوئی حدیث کسی طویل حدیث کا ایک حصہ یا جزء ہوتی ہے، جو کہ متن کے درمیان میں ذکر ہوئی ہوتی ہے، تو اس صورت میں مذکور طریقہ کی بدولت حدیث کو تلاش کرنا مفید ثابت نہیں ہوتا، اس کے لئے دیگر طرق کو بھی زیر بحث لانا ضروری ہوگا، مثال کے طور پر مشہور حدیث "صلوا كما رأيتموني أصلّي"، کہ اس حدیث کو ممکنہ طور سے مذکورہ الفاظ کے ذریعہ کسی بھی فہارس میں نہیں پایا جاسکتا، اور نہ ہی ان کتب میں اسے تلاش کیا جاسکتا ہے جو کہ احادیث کے ابتدائی کلمات پر مرتب کی گئی ہیں، کیونکہ یہ دوسری طویل حدیث کا جزء ہے، جس میں مفصل قصہ مذکور ہے، جو کہ "حديث مالك بن الحويرث" سے مشہور ہے۔

اسی طرح دیگر کئی ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں جو کہ فقہاء کے نزدیک مشہور ہیں تاہم ان کی

نصوص میں معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی بناء پر تخریج کا عمل متاثر و مشکل ہو سکتا ہے، لیکن اگر حدیث کے الفاظ کی معرفت اور ان میں اختلاف پر عبور ہو تو اس کی وجہ سے باحث کے لئے مصدر اصلی تک پہنچنا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح محققین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ فہارس کی تیاری کے وقت متن کے تمام اختلافات کی طرف اشارہ کر دیں تو آنے والے باحثین و محققین کے لئے آسانی کا سامان فراہم ہو گا۔ اس طریقہ تخریج میں معاونت پہنچانے والی کتب میں شامل ہیں:

- وہ کتب جو کہ حروف معجم کی ترتیب سے مدون کی گئی ہیں۔

اس ضمن میں ابو منصور دیلمی رحمہ اللہ کی "مسند الفردوس" کا تذکرہ مناسب رہے گا، اس کے علاوہ دیگر کتب میں اسانید کو محذوف ذکر کیا گیا ہے، جن میں احادیث کی اصل کتاب میں موجودگی کی طرف انتساب کیا گیا ہے، اور حدیث اس مصنف کی طرف منسوب کی گئی ہے جس نے مطلوبہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ ان میں مشہور کتاب امام سیوطی رحمہ اللہ کی "الجامع الصغیر وزیادته" ہے، جس کی تحقیق شیخ ناصر الدین اَلبانی رحمہ اللہ نے "صحیح الجامع الصغیر و ضعیف الجامع الصغیر" کے نام سے فرمائی ہے۔

اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ کی ایک اور کتاب بھی جو کہ "الجامع الکبیر" ہے، تاہم وہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی، قسم اول (مقدم الذکر) میں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے منسوب اقوال جمع کئے ہیں جو کہ حروف ہجاء کی ترتیب سے مدون ہے، جب کہ قسم ثانی (مؤخر الذکر) میں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے منسوب افعال ذکر کئے ہیں، جو کہ مسانید کی ترتیب سے مدون ہے۔

امام متقی الہندی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "کنز العُمّال" میں ان دونوں کتب یعنی "الجامع الصغیر والکبیر" کو جمع کیا ہے، جو کہ تخریج کے باب میں انتہائی اہم ترین کتاب ہے، خصوصاً اس کی فہرست جو کہ دو ضخیم جلدوں میں پائی جاتی ہے، اور حروف معجم کے اعتبار سے مرتب ہے۔ جب کہ "کنز العُمّال" کو انہوں نے فقہی ابواب کی ترتیب سے مدون کیا ہے۔ لیکن اس کی فہرست حروف معجم کی ترتیب سے مدون

ہے،اس کتاب کی بدولت باحث ''الجامع الکبیر''اور''الجامع الصغیر'' سے مستغنی ہوجاتا ہے۔

تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ ''الجامع الکبیر'' افعال نبویہ ﷺ سے عبارت ہے ، اور مسانید صحابہ کے اعتبار سے مرتب ہے،اور یہ خاصیت نہ ''کنز العمال'' میں پائی جاتی ہے نہ ہی کسی دوسری کتاب میں اس خاصیت کا اظہار ہے۔

اسی طرح وہ کتب جوکہ حروف معجم کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہیں ان میں:''کتب الأحادیث المشتهرة علی الألسنة'' شامل ہیں، ان احادیث سے مراد وہ احادیث ہیں جوکہ لوگوں کی زبانوں پر عام طور سے مشہور ہیں،اور ان روایات کو وہ اپنے معاملات میں بطور احتجاج پیش کرتے ہیں چاہے عام علماء ہوں یاعامتہ الناس ہوں،اس سلسلے میں پہلے مؤلف امام زرکشی رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے ''اللآلئ المنثورة في الأحادیث المشهورة'' کے نام سے کتاب تالیف فرمائی جوکہ ''التذكرة في الأحاديث المشتهرة'' کے نام سے مطبوع ہوچکی ہے۔اس کتاب کو امام زرکشی رحمہ اللہ نے فقہی أبواب کی ترتیب سے مرتب کیا ہے،اور مذکورہ کتاب ''الأحادیث المشتهرة'' کے سلسلے کی واحد کتاب ہے جوفقہی ترتیب سے مدون ہے۔۔

اس کے بعد آنے والی کتاب امام سخاوی رحمہ اللہ کی ''المقاصد الحسنة في بیان الأحادیث المشتهرة علی الألسنة'' ہے، جوکہ اس سلسلہ کتب کی بلندپایہ کتاب ہے،اور تخریج کے باب میں بہترین کتاب شمار کی جاتی ہے،اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ کی ''الدرر المنتثرة في الأحادیث المشتهرة'' بھی قابل ذکر ہے،جودر حقیقت امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب کی تلخیص ہے،اس پرامام سیوطی رحمہ اللہ نے ''الدرر المنتثرة'' کے نام سے زیادت کی ہے۔

ان کے بعد امام ابن طولون رحمہ اللہ آئے اور انہوں نے ''الشذرة في الأحادیث المشتهرة'' کے نام سے کتاب تالیف فرمائی۔جس میں مؤلف نے پچھلی تین مذکورہ کتب ہی کو جمع فرمایا،ان کے بعد بدر الدین الغزی رحمہ اللہ نے ''إتقان ما يحسن من الأخبار الدائرة على الألسن'' کے نام سے کتاب تالیف فرمائی،اس کتاب میں امام بدر الدین رحمہ اللہ نے پچھلی کتب کو جمع فرمایا اور اپنی طرف سے ان پر

مفید اضافے بھی فرمائے۔

ان کے بعد ان کے پوتے أحمد بن عبد الکریم الغزی رحمہ اللہ نے اپنے دادا کی کتاب میں سے ان احادیث کو جمع کیا جو کہ ثابت نہیں تھیں اور انہیں "الجدّ الحثيث في بيان ما ليس بحديث" نامی کتاب میں جمع کیا، جس کی تحقیق بکر أبو زید رحمہ اللہ نے فرمائی۔ ان کے بعد "إبراهيم بن سليمان بن مُحَمَّد الجِيْنيني" نے امام غزی رحمہ اللہ کی کتاب "إتقان ما يحسن" کی "المقاصد الحسنة" پر زیادات کو اکٹھا کیا، اور بیان کیا کہ امام غزی رحمہ اللہ نے امام سخاوی رحمہ اللہ کی کتاب پر کون سے اضافہ جات بیان کئے۔

اس سلسلے میں متاخرین کی اہم ترین کتابوں میں سے امام عجلونی رحمہ اللہ کی "كشف الخفا ومزيل الإلباس عمّا يدور من الحديث على ألسنة الناس" ہے۔ یہ کتاب پچھلی تمام کتب کا خلاصہ ہے تاہم اس میں دو امور قابل اعتراض پائے جاتے ہیں:

- مؤلف نے گزشتہ مؤلفین کے کلام وعبارات کو انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات وہ صرف عالم کا نام ہی ذکر کرتے ہیں، جب کہ امام سخاوی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ اسانید اور ان پر کلام کو حذف کر دیتے ہیں، جن کی بناء پر ان کی کتاب سے فائدہ اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔
- امام عجلونی رحمہ اللہ صوفی ہیں، اس بناء پر انہوں نے اپنے کئی عقائد اس کتاب میں موجود احکامات میں ذکر کئے ہیں، اس وجہ سے کتاب کے مطالعہ کے دوران ان عقائد کا اظہار ہوتا ہے۔

مذکورہ سلسلہ کی یہ اہم ترین کتب ہیں جو بیان کی گئی ہیں اور یہ تمام کتب حروف معجم کی ترتیب سے مدون کی گئی تھیں۔

- دوسرے درجے پر نمائندہ کتب میں سے وہ "الفهارس والكشافات الحديثة" ہیں جو کہ

کسی بھی کتاب کے آخر میں تحقیقی فہارس کی شکل میں موجود ہوتی ہیں یا پھر الگ سے ان کی تالیف کی جاتی ہے۔

محققین کی ایک بڑی تعداد کتاب کے آخر میں اطراف احادیث پر مشتمل فہارس ترتیب دیتے ہیں، جن میں سے کئی فہارس انتہائی تحقیق کے بعد مرتب کی گئی ہوتی ہیں اور قابل استفادہ ہوتی ہیں، ان فہارس کی معاونت سے بھی احادیث کی تخریج ممکن ہو سکتی ہے، ان میں سے اہم "فهارس الكتب التسعة" ہیں، جن میں سے صحیح بخاری کی احادیث کے لئے مستقل فہرست موجود ہے، جس کا نام "دليل القاري لمواضع الأحاديث في صحيح البخاري" ہے، اور شیخ "الغنيمان" رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

اس فہرست کی خاص بات یہ ہے کہ اگرچہ صحیح بخاری کی طبعات مختلف ہی کیوں نہ ہوں باحث کے لئے حدیث تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے صحیح بخاری کے اندر کتاب اور باب کا حوالہ بھی ذکر کیا ہے۔ جب کہ صحیح مسلم کی فہرست کے لئے محمد فؤاد عبد الباقی رحمہ اللہ کی طبع بہترین ہے جس کی پانچویں جلد انہوں نے صرف کتاب کی فہرست کے لئے خاص رکھی ہے۔

اسی طرح سنن أبي داود کی احادیث کی فہرست پر مطلع ہونے کے لئے "عزت عبيد الدّعاس" کی طباعت بہترین ہے، تاہم اس کے بعد سنن أبي داود شیخ محمد عوامہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے ساتھ طبع ظہور پذیر ہوئی ہے جو کہ بہترین طبعات میں سے ہے، وہ بھی اس ضمن میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد جامع ترمذی کے لئے کئی فہارس بنائی گئی ہیں، تاہم کوئی ایک بہترین فہرست کی طرف نشاندہی مشکل ہے، اسی طرح سنن نسائی کی احادیث کی ترقیم عبد الفتاح أبو غدة الحلبی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، اور مکمل ایک جلد میں انہوں نے فہارس ترتیب دی ہیں۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ کی تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی رحمہ اللہ نے فرماتے ہوئے اس کی فہارس ترتیب دی ہیں، جب کہ مؤطا امام مالک (برواية يحيى الليثي) کی بھی فہرست محمد فؤاد عبد الباقی رحمہ اللہ نے ترتیب دی ہے، اسی طرح مسند امام احمد کی دو بہترین فہارس موجود ہیں:

- شیخ حمدی السلفی رحمہ اللہ کی "مُرشد المحتار".
- عبد اللہ ناصر رحمانی رحمہ اللہ کی "المنهج الأسعد في ترتيب أحاديث مسند الإمام أحمد". جو کہ چار مجلدات میں پائی جاتی ہے۔

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے مسند کی تین طبعات کی فہرست ترتیب دی ہے، قدیم طباعت شدہ مسند احمد جو کہ چھ جلدوں میں 1313 ہجری میں مطبوع ہوئی تھی، دوسری شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ کی طباعت شدہ مسند احمد، اور تیسری طباعت جو کہ شیخ الساعاتی رحمہ اللہ نے ترتیب دی تھی جس کا نام "الفتح الرباني بترتيب مسند أحمد بن حنبل الشيباني" ہے۔

اسی طرح سنن دارمی کی فہرست " أحمد بن عبد الله الرفاعي " رحمہ اللہ نے اطراف حدیث اور مسانید کے لحاظ سے ترتیب دی ہے، اسی طرح " مصطفى البُغا " رحمہ اللہ نے بھی سنن دارمی کی طباعت فہرست کے ساتھ کی ہے۔

"دار عالم الكتب" نے کئی فہارس کا اہتمام کیا ہے، جو کہ بہترین فہارس میں شمار ہوتی ہیں، اور ان فہارس کا اشراف "الدكتورسمير طه المجذوب" رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، انہوں نے مصنف عبد الرزاق کی فہرست چار جلدوں میں ترتیب دی ہے، جن میں سے پہلی اور دوسری جلد اُطراف حدیث پر مشتمل ہیں اور دوسری و تیسری جلد مسانید پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح انہوں نے مستدرک حاکم کے لئے دو جلدوں میں فہارس تشکیل دی ہیں، جب کہ "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" کی فہارس کے لئے انہوں نے چار ضخیم مجلدات تیار کی ہیں۔ اور سنن دارقطنی کے لئے دو بڑی جلدوں میں فہرست تیار کی ہے، اسی طرح امام زیلعی رحمہ اللہ کی "نصب الراية" کی بھی فہرست مرتب کی ہے۔

اسی طرح اہم ترین فہارس میں سے "أبو هاجر محمد السعيد بسيوني زغلول" رحمہ اللہ کی "موسوعة أطراف الحديث النبوي" بھی شامل ہے، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے 150 کتب کو جمع کیا ہے، اور اس کا تتمہ (ذیل) بھی شائع کیا ہے۔ حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچنے کے

سلسلے میں انتہائی مفید اور نافع کتاب ہے، باحثین ومحققین کے لئے اس کتاب کو فراموش کرنا ممکن نہیں کیونکہ تخریج کے باب میں انتہائی فائدہ کی حامل کتاب ہے۔

اسی طرح اس موضوع میں مفید کتب میں سے سلیم الہلالی رحمہ اللہ کی "الجامع المفهرس لمصنفات الألباني" بھی شامل ہے، جس میں انہوں نے شیخ اَلبانی رحمہ اللہ کی مؤلفات میں وارد شدہ احادیث کی فہرست ترتیب دی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رہے کہ ایسی کتب بھی منصہ شہود پر ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فہارس کے مرتب کرنے کی فکر متقدمین کے زمانہ سے موجود ہے، جن میں سے سب سے مقدم کتاب جس کی فہرست مرتب کی گئی وہ امام ابن حبان کی "المجروحين" ہے، اس کی احادیث کی فہرست بنانے کا سہرا ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ "المشهور بابن القيسراني" کے سر ہے، جوکہ انہوں نے "تذكرة الحفاظ" نامی کتاب میں سموئی ہے اور وہ مطبوع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حروف معجم کی ترتیب سے فہارس ترتیب دی ہیں، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف فہارس نہیں ہیں، بلکہ اس میں مؤلف نے طرف حدیث کے ذکر کرنے کے بعد اس حدیث پر امام ابن حبان رحمہ اللہ کا حکم بھی ذکر کیا ہے، اور اس راوی کا ذکر بھی کیا ہے جس کی وجہ سے مذکورہ حدیث پر کلام کیا گیا ہے، یعنی علت حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کئی مقامات پر وہ اپنی رائے بھی ذکر کرتے ہیں، جوکہ انتہائی اہمیت کی حامل کوشش ہے۔

اس طرح ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ نے ایک اور کتاب بھی ترتیب دی ہے جس کا نام "ذخيرة الحفاظ" ہے جس میں انہوں نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کی "الكامل" کی فہرست ترتیب دی ہے، جوکہ پانچ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں بھی ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ نے پچھلی کتب کی طرح اسلوب اپنایا ہے اور وہ تمام خصوصیات یہاں بھی موجود ہیں۔ تاہم احادیث کے بارے میں ان کی اپنی آراء پر اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔

حروف معجم کے لحاظ سے مرتب شدہ فہارس میں سے یہ اہم ترین کتب تھیں۔

## مبحث ثانی: متن میں واردشدہ ظاہر وواضح کلمات کے ذریعے

متن کے اطراف یعنی روایت شدہ متن کے کچھ کلمات کی بنیاد پر حدیث کی تخریج کرنا، اس طریقہ تخریج کے تحت فروعی اسلوب میں سے دوسرا اسلوب حدیث کے کسی ایسے کلمہ کی بنیاد پر حدیث کی تخریج کرنا ہے جوکہ وسط متن یا آخر متن میں ہو اور مطلوبہ حدیث میں دیگر کلمات کی بنسبت واضح اور ظاہر ہو، اس طریقہ تخریج میں معاون کتب میں سے:

- کسی حدیث کے متن میں وارد شدہ کلمات میں سے ظاہر وواضح کلمات کی مدد سے تخریج حدیث میں معاون کتب میں سے پہلے درجہ پر نمائندہ کتاب "المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي" ہے۔

جس کی ترتیب مستشرقین کی ایک جماعت نے دی ہے، یہ کتاب آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، اس معجم نے حدیث کی نو کتب کی خدمت کی ہے جن میں کتب ستہ کے علاوہ مؤطا امام مالک، سنن دارمی اور مسند أحمد شامل ہیں، مذکورہ کتاب انتہائی اہمیت کی حامل کتاب ہے خصوصًا ان باحثین ومحققین کے لئے جوکہ کسی خاص موضوع پر تحقیق کے شوقین ہوں، کیونکہ مذکورہ کتاب اس کے لئے بہت بڑی تعداد میں احادیث کو اس کے سامنے جمع کردیتی ہے جوکہ باحث کے لئے موضوع کی کتابت میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہے، تاہم اس کا نقص یہ بھی ہے کہ کئی ایسی راویات جو کتب تسعہ میں پائی جاتی ہیں لیکن تمام الفاظ سے ڈھونڈنے کے باوجود "المعجم المفهرس" میں نہیں پائی جاتیں۔

- اس طریقہ تخریج کے تحت معاون کتب میں سے دوسرے درجہ پر وہ فہارس ہیں جوکہ مؤلفین نے الفاظ احادیث کی ترتیب سے مدون کی ہیں۔

وہی ترتیب جوکہ پچھلے نکتہ میں ذکر کی گئی ہے جس کے مطابق معاصر مؤلفین نے الفاظ احادیث کی ترتیب سے فہارس مدون کی ہیں، مثال کے طور پر سنن ابن ماجہ کہ ڈاکٹر مصطفی أعظمی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تحقیق کرتے وقت کتاب کے آخر میں فہارس تشکیل دی ہیں جوکہ الفاظ احادیث پر مشتمل ہیں، انہوں

نے سنن ابن ماجہ کی فہارس دو جلدوں میں ذکر کی ہیں، اور انتہائی دقیق تحقیق اور عرق ریزی کے تحت یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے، جس کے مطابق انہوں نے سنن ابن ماجہ میں وارد تمام کلمات کا فہارس میں احاطہ کیا ہے، اسی طرح ڈاکٹر یوسف المرعشلی رحمہ اللہ کی "المعجم المفهرس لألفاظ سنن الدارقطني" بھی اس سلسلے کی قابل ذکر کتاب ہے، اسی طرح أبو ہاجر بسیونی زغلول رحمہ اللہ کی "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" پر فہرست بھی قابل ذکر ہے۔

- اس سلسلے کی نمائندہ کتب میں سے تیسرے درجے پر "مفتاح كنوز السنّة" ہے جس کا ترجمہ محمد فؤاد عبدالباقی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

اگرچہ اس کتاب کی جدید فہارس منظر عام پر آنے کی وجہ سے مذکورہ کتاب کی اہمیت کم ہوئی ہے تاہم پھر بھی یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ اور موضوعات کی فہرست اکٹھے ہی ترتیب دی گئی ہیں، مثال کے طور پر لفظ "صلاة التطوع" ذکر ہو تو اس کتاب میں کتب تسعہ اور مسند زید بن علی میں سے ہر وہ حدیث ذکر کی گئی ہے جو کہ "صلاة التطوع" سے متعلق ہو، اسی طرح اس کتاب میں امام واقدی کی "المغازي"، امام ابن سعد کی "الطبقات" اور "سيرة ابن هشام" کی روایات بھی ذکر کی گئی ہیں۔

- اس سلسلے کی معاون کتب میں سے چوتھے درجے پر نمائندہ کتب میں سے "كتب غريب الحديث" ہیں۔

ان کتب میں ان الفاظ کو زیر بحث لایا جاتا ہے جو کہ احادیث نبویہ میں غریب واقع ہوئے ہیں، یعنی وہ الفاظ کہ عربی لغت میں قلت استخدام کی بناء پر ان کے معانی واضح نہ ہوں، ان غریب الفاظ کی وضاحت کے لئے علماء نے کتب تالیف فرمائی ہیں جن میں أبو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کی "غريب الحديث" شامل ہے۔ اسی طرح ابراہیم الحربي رحمہ اللہ کی "غريب الحديث" بھی اسی موضوع پر تصنیف

کی گئی ہے۔ أبو عبید رحمہ اللہ کے بعد ان کی کتاب کا تتمہ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے "غريب الحديث" کے نام سے لکھا، امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے ایک دوسری کتاب "إصلاح غلط أبي عبيدُ" کے نام سے لکھی جس میں امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے ان مقامات کی نشاندہی کی جہاں ان کی رائے کے مطابق أبو عبید رحمہ اللہ نے غلطیاں کی ہیں۔

ان کے بعد امام خطابي رحمہ اللہ نے ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی کتاب پر "غريب الحديث" کے نام سے تتمہ لکھا، ان تمام علماء و محدثین کے بعد أبو عبید ہروی رحمہ اللہ تشریف لائے جنہوں نے "غريب القرآن والحديث" کے نام سے دو کتابیں لکھیں، ان کی کتب کا تتمہ أبو موسیٰ المدیني رحمہ اللہ نے "المجموع المغيث في غريبي القرآن والحديث" کے نام سے لکھا، تاہم أبو موسیٰ رحمہ اللہ کی کتاب مصادر تخریج میں شامل نہیں سمجھی جاتی، کیونکہ وہ مسند نہیں ہے۔ جب کہ أبو عبید رحمہ اللہ کی کتاب اور ان کے تتمات، حربي رحمہ اللہ کی کتاب اور أبو عبید ہروی رحمہ اللہ کی کتاب مصادر تخریج میں سے گنی جاتی ہے، کیونکہ وہ مسند کتب ہیں۔

ان کتب میں سے حدیث کو تلاش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر باحث و محقق کسی ایسی حدیث کی تلاش میں ہو جس میں لغوی طور سے غریب الفاظ مذکور ہوں، تو غالب طور سے مذکورہ کتب کے مؤلفین علماء محدثین نے ان کتب میں یہ روایات ذکر کی ہوں گی، باحث کے لئے اس بات کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ وہ امام ابن الاثیر رحمہ اللہ کی کتاب "النهاية في غريب الحديث" کی طرف رجوع کرے، اگر ابن الاثیر رحمہ اللہ کی کتاب میں مطلوبہ حدیث موجود ہو تو مصادر اصلیہ میں ضرور یہ حدیث موجود ہو گی، کیونکہ ابن الاثیر رحمہ اللہ کی کتاب کے مصادر گزشتہ ذکر کی گئی کتب ہی ہیں۔ اس بناء پر ابن الاثیر رحمہ اللہ کی کتاب پچھلی کتب کے لئے فہرست کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی طرح گزشتہ کتب کے لئے فہارس بھی ترتیب دی گئی ہیں، اس ضمن میں أبو عبید رحمہ اللہ کی کتاب "غريب الحديث" کی فہرست قابل ذکر ہے جو کہ اطراف، مسانید اور الفاظ کے لحاظ سے مرتب ہے۔ اسی طرح إبراہیم حربي رحمہ اللہ کی کتاب کی فہرست بھی اس کے آخر میں موجود ہے۔

## مبحث ثالث: متن کے موضوع کو دیکھتے ہوئے

متن کے اطراف یعنی روایت شدہ متن کے کچھ کلمات کی بنیاد پر حدیث کی تخریج کرنا، اس طریقہ تخریج کے تحت فروعی اسلوب میں سے تیسرا اسلوب حدیث کے موضوع کو دیکھتے ہوئے تخریج کرنا ہے یا اس حدیث سے مستنبط احکام کو مد نظر رکھ کر حدیث کی تخریج کرنا ہے، تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ اس طریقہ تخریج سے وہ باحث و محقق فائدہ اٹھا سکتا ہے جو کہ حدیث کے معانی و مفاہیم کو گہرائی سے سمجھتا ہو، اسی طرح مطلوبہ حدیث سے مستنبط حکم کی معرفت رکھتا ہو، بلکہ جتنی اس باحث کی معرفت قوی اور دقیق ہوگی اتنا ہی اس طریقہ تخریج سے فائدہ حاصل کرنا آسان ہوگا، مہارت اور دقت نظر کی اس وجہ سے ضرورت پیش آتی ہے کہ کبھی کبھی مصنف کسی ایسے باب کے تحت حدیث ذکر کرتے ہیں کہ باحث کے لئے اس باب اور حدیث کے مابین تعلق سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ جیسا کہ عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع سے یہ معلوم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام امام بخاری رحمہ اللہ کے بعض تراجم میں ان کے مقصد کی معرفت میں توقف کرتے پائے جاتے ہیں۔ اس طریقہ تخریج میں معاون کتب میں شامل ہیں:

- پہلے درجہ پر نمائندہ کتب میں سے وہ ہیں جو کہ موضوعات کی ترتیب سے تالیف کی گئی ہوں، جن میں سے مشہور ترین کتب "الجوامع" ہیں، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کی "الجامع الصحيح"، اور امام مسلم رحمہ اللہ کی "المسند الصحيح"، اسی طرح "كتب السنن" بھی اس سلسلے میں مددگار کتب میں شامل ہیں۔

جوامع اور سنن کی فہرست میں تمام وہ کتب شامل ہیں جن میں صحت حدیث کا التزام کیا گیا ہو جیسا کہ "صحيح ابن خزيمة"، "صحيح ابن حبان" (الإحسان في ترتيب صحيح ابن حبان)، اسی طرح مستخرجات جیسا کہ "مستخرج أبي عوانة"، "مستخرج أبي نُعيم" اور "مختصر الأحكام" جو کہ جامع ترمذی پر مستخرج کتاب ہے۔ اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ کی مستدرک، سنن اربعہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی سنن بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔

- دوسرے درجہ پر نمائندہ کتب میں سے وہ کتب شامل ہیں جو کہ کسی معین موضوعات پر خاص طور سے تالیف کی گئی ہوں۔

مثال کے طور پر "كتب التفسير بالمأثور"، اور ان میں بھی وہ کتب جو کہ مسند کی طرز پر تالیف کی گئی ہوں، اس ضمن میں "كتب التفسير المسندة" میں سے "تفسير ابن جرير الطبري"، "تفسير ابن أبي حاتم"، "تفسير الثوري"، "تفسير عبد الرزاق" اور "تفسير مجاهد" شامل ہیں۔

اسی طرح تفسیر بالماثور میں کچھ کتب ایسی بھی ہیں جن میں احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیساکہ "تفسير ابن كثير"، جب کہ کچھ ایسی ہیں جن میں احادیث کی تخریج ان کے ذکر کرنے والے کی طرف کی گئی ہے، جیساکہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی "الدر المنثور".

تفسیر کے ضمن میں وہ کتب بھی شامل ہیں جو کہ "أسباب النزول" سے متعلق لکھی گئی ہیں، خصوصًا ان میں سے مسند کتابیں، مثال کے طور پر امام واحدی رحمہ اللہ کی "أسباب النزول" جو کہ اسباب نزول میں تالیف شدہ کتب میں اَصالت کی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "العُجاب في بيان الأسباب"، تاہم وہ مکمل نہیں ہو سکی بلکہ سورۃ النساء کے درمیان تک اسے لکھا گیا۔

اسی طرح کتب "الناسخ والمنسوخ في القرآن المسندة" بھی معاون کتب ہیں مثال کے طور پر امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی "الناسخ والمنسوخ" اور اَبو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کی "ناسخ القرآن ومنسوخه"، جس میں وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں جو کہ نسخ پر دلالت کرتی ہیں۔

اس سلسلے میں وہ موضوعات جن پر الگ سے مستقل کتب تدوین فرمائی گئی ہیں، وہ بھی شامل ہیں جیسے:

- "كتب العقيدة المسندة بأنواعها"، عقیدہ کی تمام اَنواع سے متعلق کتب شامل ہیں۔

مثال کے طور پر "الإيمان" سے متعلق کتب جیساکہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی "شعب الإيمان" اور امام ابن مندۃ رحمہ اللہ کی "الإيمان"، امام ابن نصر المروزی رحمہ اللہ کی "تعظيم قدر الصلاة" جس میں انہوں

نے ایمان کے مسائل کو بھی زیر بحث لایا ہے، اسی طرح "الأسماء والصفات" سے متعلق کتب جیسے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی "التوحید"، امام ابن مندۃ رحمہ اللہ کی "التوحید" اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی "الأسماء والصفات".

اسی طرح عقیدہ کے ضمن میں وہ کتب بھی شامل ہیں جو کہ مبتدعین پر رد سے متعلق ہوں، جیسا کہ عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ کی "الرد علی الجهمية" اور "الرد علی بشر المرّيسي".

اسی طرح امام عبد اللہ بن امام أحمد رحمہ اللہ، ابن أبي عاصم رحمہ اللہ اور خلال رحمہ اللہ کی "السنّة" بھی اس میں شامل ہیں۔

- اسی طرح فقہی موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر لکھی گئی کتب جیسا کہ:

أبو نعیم الفضل بن دکین رحمہ اللہ کی "الصلاة"، ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ کی "البسملة"، ابن عبد البر رحمہ اللہ کی "الإنصاف"، أبو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ کی "الطُّهور" اور انہی کی "الأموال"، حمید بن زنجویہ رحمہ اللہ کی "الأموال"، یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ کی "الخراج"، امام بخاری رحمہ اللہ کی "القراءة خلف الإمام" اور "جزء رفع اليدين"، امام بیہقی رحمہ اللہ کی "القراءة خلف الإمام" شامل ہیں۔ ان میں سے کئی کتب مطبوع شکل میں موجود ہیں۔

- اسی طرح سیرت اور شمائل محمدیہ پر الگ سے لکھی گئی کتب جیسا کہ:

"سيرة ابن إسحاق" جس کا ایک حصہ شائع ہو چکا ہے، اسی طرح "تهذيب سيرة ابن هشام".
اس ضمن میں "الدلائل النبوية" سے متعلق کتب بھی ذکر کی جاتی ہیں، مثال کے طور پر أبو نعیم رحمہ اللہ کی "دلائل النبوة"، امام بیہقی رحمہ اللہ کی "دلائل النبوة"، امام فریابی رحمہ اللہ کی "دلائل النبوة" اور أبو القاسم تیمی رحمہ اللہ کی "دلائل النبوة" قابل ذکر ہیں۔ شمائل پر کتب میں سے امام ترمذی رحمہ اللہ کی "الشمائل المحمدية" اور أبو الشیخ أصبہانی رحمہ اللہ کی "الأنوار في شمائل النبي المختار" قابل ذکر ہیں۔

- اسی طرح وہ کتب جو کہ فضائل صحابہ پر لکھی گئی ہوں۔

جیسا کہ امام أحمد رحمہ اللہ کی "فضائل الصحابة"، خیثمہ طرابلسی رحمہ اللہ کی "فضائل الصحابة" اور أبو نعیم أصبہانی رحمہ اللہ کی "فضائل الخلفاء الأربعة". اسی طرح بعض مخصوص صحابہ کے فضائل پر بھی کتب لکھی گئی ہیں جن میں امام نسائی رحمہ اللہ کی "خصائص علي"، ابن بلبان الفارسی رحمہ اللہ کی "فضائل أبي بكر الصديق" اور ابن المغازلی الواسطی رحمہ اللہ کی "فضائل علي بن أبي طالب" شامل ہیں۔

- مستقل موضوعات پر لکھی گئی کتب میں "الآداب ومحاسن الأخلاق" سے متعلق کتب بھی شامل ہیں۔

مثال کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کی "الأدب المفرد"، امام بیہقی رحمہ اللہ کی "الآداب"، ابن أبي الدنیا رحمہ اللہ کی "مكارم الأخلاق"، امام طبرانی رحمہ اللہ کی "مكارم الأخلاق"، امام خرائطی رحمہ اللہ کی "مكارم الأخلاق" اور "مساوئ الأخلاق"، أبو الشیخ أصبہانی رحمہ اللہ کی "التوبيخ والتنبيه"، اس سلسلے میں امام ابن أبي الدنیا رحمہ اللہ کی متعدّد کتب شامل ہیں مثلاً "(الصمت) و (ذم البغي) و (ذم الكذب) و (ذم الغضب) و (التواضع والخمول) و (الإخوان) و (الصبر) و (الحلم)" یہ تمام کتب ابن أبي الدنیا رحمہ اللہ کی ہیں جن میں انہوں نے ہر حدیث کو اس کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

- اسی طرح امثال نبویہ کے موضوع سے متعلق الگ کتب لکھی گئی ہیں جن میں أبو الشیخ أصبہانی رحمہ اللہ کی "الأمثال"، امام رامہرمزی رحمہ اللہ کی "الأمثال"، أبو ہلال العسکری رحمہ اللہ کی "الأمثال" اور امام قضاعی رحمہ اللہ کی "مسند الشهاب" شامل ہیں۔

- اسی طرح "الزهد والرقائق" سے متعلق موضوعات پر بھی مستقل تصانیف کی گئی ہیں، جن میں امام أحمد رحمہ اللہ کی "الزهد"، امام وکیع رحمہ اللہ، ابن المبارک رحمہ اللہ، بیہقی رحمہ اللہ اور اسد بن موسیٰ رحمہ اللہ کی "الزهد"، شامل ہیں۔

➢ اسی طرح مستقل موضوع سے متعلق کتب میں احادیث احکام بھی شامل ہیں، جن میں کتب سنن وجوامع بھی شامل ہو سکتی ہیں۔

تاہم کچھ کتب ایسی ہیں جو فقہاء کے مستدل بہا نصوص واحادیث پر مشتمل ہیں، ان میں سرفہرست کتب میں امام طحاوی رحمہ اللہ کی "شرح معاني الآثار" ہے جس میں انہوں نے امام أبو حنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل ذکر کئے ہیں اور سند کے ساتھ ان احادیث وآثار کو ذکر کیا ہے۔

اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ کی "الخلافیات" بھی ہے جس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل کو مسند طریقے سے بیان کیا گیا ہے، جس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اسی طرح امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی "التحقیق" جس میں انہوں نے فقہ حنبلی کے دلائل کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کتب احکام میں امام ابن المنذر رحمہ اللہ کی "الأوسط" بھی شامل ہے جس میں انہوں نے اسانید کے ساتھ احکام کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

ان کتب کے بعد قابل ذکر تالیفات میں سے وہ کتب ہیں جن میں احادیث احکام سے متعلق کتب کی تخریج کی گئی ہے جیسا کہ امام زیلعی رحمہ اللہ کی "نصب الرایة"، (فقہ حنفی سے متعلق) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "التلخیص الحبیر"، ابن الملقن رحمہ اللہ کی "البدر المنیر" (دونوں فقہ شافعی سے متعلق) اور ابن عبد الهادی رحمہ اللہ کی "تنقیح التحقیق"، اسی طرح شیخ ألبانی رحمہ اللہ کی "إرواء الغلیل في تخریج أحادیث السبیل" (فقہ حنبلی سے متعلق)۔ فقہ مالکی سے متعلق کتب تخریج انتہائی قلیل تعداد میں ہیں، تاہم شیخ دردیری رحمہ اللہ کا مطبوع رسالہ "تخریج أحادیث المدونة" اور أبو الفیض الغماری رحمہ اللہ کی "الهدایة في تخریج أحادیث البدایة" کو فقہ مالکی کے دلائل کی تخریج میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح کتب أحکام میں وہ کتب بھی شامل ہیں جن میں احکام سے متعلق احادیث مذکور ہیں لیکن ان کی اسانید محذوف ہیں، مثال کے طور پر امام ابن حجر رحمہ اللہ کی "بلوغ المرام"، اس میں وہ حدیث کی مصدر اصلی کی طرف انتساب کرتے ہیں اور کبھی کبھار حدیث پر حکم بھی ذکر کرتے ہیں، اسی طرح عبد

الحق اِشبیلی رحمہ اللہ کی احکام پر تین کتب، "الأحکام الکبری" جوکہ غیر مطبوع ہے، اسی طرح "الأحکام الوسطی" جوکہ پانچ جلدوں میں ہے، اور" الأحکام الصغری" جوکہ دو جلدوں میں موجود ہے۔

اس مؤخر الذکر میں مؤلف نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ صرف صحیح احادیث ذکر کرے گا، لہٰذا اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں وارد تمام احادیث عبد الحق اِشبیلی رحمہ اللہ کے مطابق صحیح ہیں، جب کہ وہ نہ سند ذکر کرتے ہیں، نہ تعلیل ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی کسی حدیث پر کلام کرتے ہیں۔ جب کہ " الأحکام الوسطی " میں انہوں نے احادیث پر کلام بھی کیا ہے، اور احادیث صحیحہ پر اکتفاء نہیں کیا، اس کتاب "الأحکام الوسطی " پر ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب لکھی جو کہ "بیان الوهم والإیهام الواقعَین في کتاب الأحکام " کے نام سے معروف ہے۔ جب کہ "الأحکام الکبری" میں عبد الحق اِشبیلی رحمہ اللہ نے مؤلفین کی اسانید کو مکمل ذکر کیا ہے، اور یہی اس کی خصوصیت ہے، جب کہ یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں کئی مفقود کتب کی احادیث موجود ہیں مثال کے طور پر "أمالي البزار "اور قاسم بن أصبغ رحمہ اللہ کی "المنتقی "کی روایات اس میں پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح فقہی ابواب کی ترتیب پر مدون کتب میں امام متقی الہندی رحمہ اللہ کی "کنز العمال "بھی شامل ہے، اسی طرح وہ تمام زوائد کی کتب جوکہ فقہی ابواب کی ترتیب پر مدون کی گئی ہیں، زوائد میں بلند پایہ کتب میں سے پہلی کتاب امام ہیثمی رحمہ اللہ کی " مجمع الزوائد ومنبع الفوائد " ہے جوکہ غیر مسند ہے۔ لیکن اس میں جن کتب کی زوائد جمع کی گئی ہیں وہ تمام اب مطبوع شکل میں موجود ہیں سوائے امام طبرانی رحمہ اللہ کی "المعجم الکبیر " کے، کہ جس کے کچھ اجزاء مفقود ہیں، یا وہ احادیث جوکہ مسند أبي یعلیٰ الکبیر سے حاصل کی گئی ہیں، اسی طرح مسند بزار کے بعض اجزاء، تاہم "کشف الأستار "ان اجزاء کے بارے میں معاونت کرتی ہے، اور وہ بھی فقہی ابواب کی ترتیب پر مدون ہے۔

زوائد میں دوسری بلند پایہ کتاب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "المطالب العالیة " ہے، اور وہ بھی فقہی ابواب کی ترتیب سے مدون ہے۔ اس کے علاوہ کتب زوائد میں سے "کشف الأستار عن زوائد مسند

البزار" اور "المقصد العليُّ في زوائد مسند أبي يعلى الموصلي" قابل ذکر ہیں۔ اور بعد کے زمانہ میں "زوائد تاريخ بغداد" دس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، تاہم وہ فقہی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ اسی طرح امام ہیثمی رحمہ اللہ کی "بغية الباحث في زوائد مسند الحارث" بھی ہے جو کہ طبع ہو چکی ہے۔

- اسی طرح فقہی ترتیب کے مطابق مدون کتب میں وہ شروحات حدیث بھی شامل ہیں جس میں شارحین نے احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہو۔

مثال کے طور پر امام خطابی رحمہ اللہ کی "أعلام الحديث"، جو کہ صحیح بخاری کی شرح ہے۔ اس میں امام خطابی رحمہ اللہ نے بعض احادیث کو نبی کریم ﷺ تک سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اسی طرح ابن عبد البر رحمہ اللہ کی "الإستذكار" جو مؤطا امام مالک کی شرح ہے، جس میں امام موصوف نے احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی "التمهيد" بھی قابل ذکر ہے، جس میں مقدم الذکر سے بھی زیادہ اسانید کے ذکر میں اہتمام ہے، تاہم یہ فقہی ابواب کے ترتیب کے مطابق نہیں ہے، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کے شیوخ کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔

لیکن اس لحاظ سے اس سے معاونت لی جا سکتی ہے کہ مطلوبہ حدیث کو پہلے مؤطا امام مالک میں دیکھا جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے کس باب کے تحت ذکر کیا ہے، پھر وہاں امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ کو دیکھا جائے اور اس کے بعد "التمهيد" کی طرف رجوع کیا جائے اور اس شیخ کی روایات میں سے حدیث کی تخریج کی جائے۔ اسی طرح "الإستذكار" سے بھی مدد لی جا سکتی ہے کہ "الإستذكار" میں جہاں حدیث ذکر ہو، "التمهيد" میں بھی اسی مقام پر وہ حدیث تلاش کی جائے۔ مذکورہ دونوں کتب انتہائی ضخیم ہیں، "الإستذكار" تیس جلدوں میں پائی جاتی ہے جب کہ "التمهيد" چھبیس جلدوں میں موجود ہے۔

- اسی طرح کتاب "مفتاح كنوز السنّة" جو کہ محمد فؤاد عبد الباقی رحمہ اللہ کے ترجمہ کے ساتھ موجود ہے، جو کہ الفاظ کی ترتیب کے ساتھ ساتھ موضوعات کی ترتیب سے بھی مدون ہے۔

- اسی طرح ڈاکٹر یوسف المرعشلی رحمہ اللہ کی "المعجم المفهرس للمسائل الفقهية" بھی اس سلسلے کی معاون کتاب ہے، جس میں انہوں نے "شرح معاني الآثار" کی احادیث کو فقہی مسائل کی ترتیب سے ذکر کیا ہے، اور فقہی مسائل کو حروف ہجاء کی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔
- اسی طرح وہ کتب جو فقہی ترتیب کے مطابق مدون ہیں، ان میں وہ کتب شامل ہیں جو کہ مسانید کی ترتیب سے مدون ہیں۔

کیونکہ بعض علماء و محدثین نے بعض وہ مسانید جو کہ صحابہ کی ترتیب سے مدون تھیں ان کی احادیث کو فقہی ترتیب کے مطابق مدون کیا ہے، اس ضمن میں پہلی کتاب ابن زکنون رحمہ اللہ کی "الكواكب الدراري في ترتيب مسند أحمد بن حنبل على أبواب البخاري" قابل ذکر ہے، جو کہ بہت ضخیم کتاب ہے اور مؤلف نے مکمل ہونے سے پہلے ہی وفات پائی جب کہ اس کی 100 مجلدات اب پائی جاتی ہیں۔

ان کا منہج یہ ہے کہ جب حدیث میں مذکور کسی مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام/رائے موجود ہوتی ہے، یا ان کی کتاب موجود ہوتی ہے جو ایک یا دو جلدوں میں پائی جاتی ہے تو وہ پوری کی پوری جلدیں اس جگہ ذکر کرتے ہیں، اور اسے "قال شيخ الإسلام ابن تيمية" کے تحت مکمل ذکر فرماتے ہیں۔

اسی طرح اگر ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کی کتاب مذکورہ مسئلہ کے بارے میں پاتے ہیں تو اسے بھی بعینہ اسی طرح مکمل ذکر فرماتے ہیں، اسی طرح انہوں نے کتاب "توضيح المشتبه في المؤتلف والمختلف" بھی "الكواكب الدراري" کی دو جلدوں میں سموئی ہے، اور یہ تمام تراجم رواۃ پر مشتمل ہے۔

الغرض مذکورہ کتاب ایک ضخیم کتاب ہے تاہم اس میں سے ایک تھوڑا حصہ ہم تک پہنچ پایا ہے۔ ان کے بعد أحمد البناء "المشهور بالساعاتي" رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے کتاب "الفتح الرباني في ترتيب مسند أحمد بن حنبل الشيباني" تالیف کی، جس میں انہوں نے مسند کو فقہی ترتیب کے مطابق ذکر کیا،

اسی طرح ان کی دوسری کتاب ”عون المعبود في ترتيب مسند أبي داود “بھی قابل ذکر ہے جس میں انہوں نے مسند أبو داؤد طیالسی کی احادیث ذکر کی ہیں۔اسی طرح ان کی کتاب ”بدائع المِنَن في ترتيب المسند والسنن “بھی ہے جس میں انہوں نے مسند شافعی کو فقہی ابواب کی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔

## مبحث رابع : متن کی کسی صفت کو دیکھتے ہوئے تخریج حدیث

متن کے اطراف یعنی روایت شدہ متن کے ابتدائی حصہ یا کچھ کلمات کی بنیاد پر حدیث کی تخریج کرنا، اس طریقہ تخریج کے تحت فروعی اسالیب میں سے چوتھا اسلوب متن کی کسی خاص صفت کو مد نظر رکھ کر حدیث کی تخریج کرنا ہے، یعنی حدیث کا کوئی ایسا وصف ہو جو اس کے متن کے ساتھ متعلق ہو تو اس کو سامنے رکھ کر حدیث کے مصدر اصلی تک پہنچا جاسکتا ہے:

- اس سلسلے کی نمائندہ کتب میں سے پہلے درجہ پر وہ کتب ہیں جن میں:

”وہ روایات جمع کی گئی ہوں کہ اگر کوئی حدیث ظاہری طور سے کسی آیت کے یا کسی دوسری حدیث کے معارض ہو یا عقل وحس کے مخالف ہو“، تو ان کتب کے ذریعے سے بھی تخریج کی جاسکتی ہے، اس موضوع سے متعلق جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں امام شافعی رحمہ اللہ کی ”اختلاف الحديث “اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی ”تأويل مختلف الحديث “قابل ذکر ہیں۔اس سلسلے کی ضخیم ترین کتاب امام طحاوی رحمہ اللہ کی ”شرح مشكل الآثار “ہے جو 16 جلدوں میں مدون ہے۔

- اسی طرح اس طریقہ تخریج میں معاون کتب میں احادیث معلہ پر مشتمل کتب شامل ہیں، مثال کے طور امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کی ”العلل “ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی ”العلل “امام ترمذی رحمہ اللہ کی ”العلل الكبير “اور امام دارقطنی رحمہ اللہ کی ” العلل “شامل ہیں۔

- تیسرے درجے پر وہ کتب ہیں جن میں وہ احادیث جمع کی گئی ہوں کہ جن کے متن میں ادراج پایا جائے، مثال کے طور پر امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی ”الفصل للوصل المدرج

في النقل" اور امام سیوطی رحمہ اللہ کی "المِدْرَج إلى المدْرَج".

- چوتھے درجے پر معاون کتب میں وہ مؤلفات شامل ہیں جن کے متون احادیث قدسیہ پر مشتمل ہوں، مثال کے طور پر ابن بلبان الفارسی رحمہ اللہ کی "المقاصد السَّنية في الأحاديث الإلهية" اور عبد الرؤوف المناوی رحمہ اللہ کی "الإتحافات السنَّية في الأحاديث الإلهية".

- اسی طرح اگر حدیث کے متن میں زوائد کی صفت ہو تو اس کی تخریج کے لئے کتب زوائد کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

پچھلے طرق میں جو کتب زوائد کی طرف رجوع کیا گیا تھا وہ فقہی ابواب کی ترتیب کے لحاظ سے رجوع تھا یعنی متن کا موضوع فقہی حکم سے متعلق ہو، یہاں اس طریقہ تخریج میں زوائد کی طرف اس وجہ سے رجوع کیا جائے گا کہ متن کی صفت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ زوائد سے متعلق ہے۔

مثال کے طور پر اگر باحث کسی حدیث کو کتب ستہ میں تلاش کر رہا ہو اور اس میں نہ ملے تو اسے فوراً کتب زوائد کی طرف رجوع کرنا ہوگا، کیونکہ یہ حدیث کتب ستہ پر لکھی گئی زوائد میں ضرور ہوگی، تو اس صورت میں "مجمع الزوائد" یا "المطالب العالية" کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر ان کتب میں نہ مل پائے تو یقینی طور سے باحث کو کتب ستہ میں ڈھونڈنے میں غلطی لاحق ہوئی ہے، اب دوبارہ سے ان کتب میں تلاش کرے، کیونکہ کتب زوائد کے مؤلفین نے ضخیم ضخیم کتب کو زوائد میں سمویا ہے جن میں "مسند أحمد"، "مسند أبي يعلى"، "مسند البزار" اور امام طبرانی کی "المعاجم الثلاثة" شامل ہیں۔ یہ صرف "مجمع الزوائد" کا حال ہے اور "المطالب العالية" میں دیگر دس مسانید بھی جمع ہیں۔ تو اگر کتب ستہ میں نہیں پائی گئی تو ان کتب زوائد میں ضرور ہوگی۔

- اسی طرح اگر متن تواتر کی صفت کے ساتھ متّصف ہو تو ان کتب کی طرف رجوع کیا جائے گا جن میں احادیث متواترہ کو جمع کیا گیا ہے، مثال کے طور پر امام کتانی رحمہ اللہ کی "نظم

المتناثر من الحديث المتواتر"، امام سیوطی رحمہ اللہ کی "قطف الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة" اور امام زبیدی رحمہ اللہ کی "لقط اللآلئ المتناثرة في الأحاديث المتواترة".

- اسی طرح اگر حدیث کا متن ناسخ یا منسوخ کی صفت سے متّصف ہو توان مؤلفات کو رجوع کیا جائے گا جو کہ ناسخ و منسوخ مرویات کو جمع کئے ہوئے ہیں، مثال کے طور پر امام حازمی رحمہ اللہ کی "الإعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار" اور ابن شاہین رحمہ اللہ کی "ناسخ الحديث ومنسوخه".
- اسی طرح اگر کسی حدیث کے متن میں کوئی مبہم شخص پایا جائے تو پھر ان کتب کو رجوع کیا جائے گا جو کہ متن میں مبہمات کے ذکر پر لکھی گئی ہیں۔

ان میں سرفہرست کتاب امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی "الأسماء المبهمة في الأنباء المحكمة" ہے، اسی طرح ابن بشکوال رحمہ اللہ کی "الغوامض والمبهمات"، ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ کی "إيضاح الإشكال"، عبدالغنی بن سعید رحمہ اللہ کی "الغوامض والمبهمات" اور أبوزرعہ عراقی رحمہ اللہ کی "المستفاد في مبهمات المتن والإسناد" قابل ذکر ہیں۔
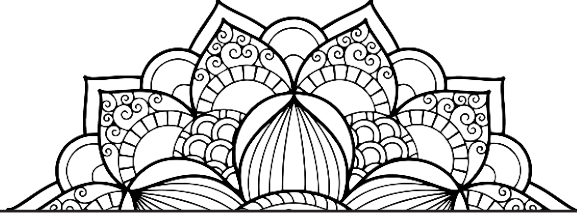
# حصہ أول: تخریج حدیث کے طرق

## فصل ثالث :

جدید معاصر آلات کو استعمال کرتے ہوئے حدیث کی تخریج کرنا

## فصل رابع :

کتب حدیثیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے کسی بھی حدیث کی تخریج کرنا
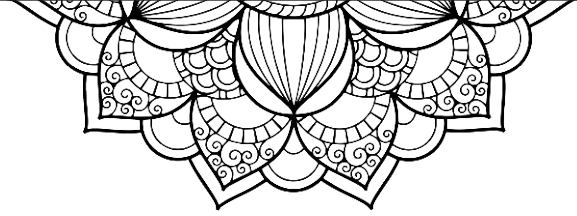
## فصل ثالث : جدید معاصر آلات کو استعمال کرتے ہوئے حدیث کی تخریج کرنا

معاصر زمانہ میں کمپیوٹر تقریبًا فہارس کی ہی حیثیت اختیار کر گیا ہے، باحثین ومحققین اس سے اسی طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں جس طرح اوپر ذکر کئے گئے طرق واسالیب میں فہارس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، تاہم اس میں حدیث پر حکم کے بارے میں مطلع نہیں ہوا جاسکتا کیونکہ کسی بھی حدیث پر حکم لگانا آلات کا کام نہیں ہے، بلکہ حدیث پر حکم لگانا ممارست، سمجھ بوجھ اور ذہنی طور سے احادیث کے بارے میں سوچ بچار کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ اور یہ تمام چیزیں کمپیوٹر کے بس میں نہیں ہیں۔

### کمپیوٹر کی خصوصیات :

حدیث کی تخریج میں سرعت کے ساتھ وقت کے بچاتے ہوئے کامیابی حاصل کرنا۔

ایک ہی وقت میں تخریج کے کئی اسالیب کو استعمال کرنا۔

مصادر اصلیہ میں سے ایک بڑی تعداد کی کتب حدیثیہ کو استعمال کرنا۔

تاہم اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ طریق تخریج میں کچھ معایب ونقائص بھی پائے جاتے ہیں:

کمپیوٹر کے پروگرام میں دقت نظر، گہرائی اور عمق نہیں پایا جاتا، کمپنیوں کے درمیان منافست اور مقابلہ کی فضاء کی وجہ سے تیزی دکھانے کی بناء پر ان کمپیوٹر پروگرامز کو بغیر جانچ پرکھ کے لانچ کر دیا جاتا ہے جن میں عجلت کے سبب اغلاط بھری ہوتی ہیں۔

کمپیوٹر کے سبب باحث ومحقق حدیث کی تخریج تو کر لیتے ہیں تاہم وہ مصادر اصلیہ سے کما حقہ متعارف نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے مناہج پر مطلع ہوسکتے ہیں۔

حتیٰ کے بعض باحثین تو کمپیوٹر کی بدولت کتب مطبوعہ سے مستغنی ہوجاتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے کیونکہ کمپیوٹر کے لئے یہ بات انتہائی محال ہے کہ وہ کتاب کی جگہ لے سکے، کیونکہ کتاب ہی کی بدولت علم کا صحیح حصول ممکن ہوتا ہے۔

## کثرت مصادر کا دھوکا

بعض محققین گمان کرتے ہیں کہ تخریج کثرتِ مصادر کا نام ہے، تو اگر وہ متعدّد مصادر سے حدیث کی تخریج پر مطلع ہو جائیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دیگر باحثین کی بنسبت زیادہ مصادر پر مطلع ہیں، اور یہ بھی مناسب نہیں ہے۔ تو جو باحث بھی کمپیوٹر استعمال کرے اسے چاہئے کہ کمپیوٹر کے فوائد و عیوب کو سامنے رکھتے ہوئے فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور عیوب سے اجتناب کرے۔

## فصل رابع: کتب حدیثیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے کسی بھی حدیث کی تخریج کرنا

یہ طریقہ اس وقت کارگر ہوتا ہے جب باحث و محقق کسی کتاب کو ابتداء سے شروع کرے اور آخر تک اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرے، اور اس کے بعد حدیث کی تخریج کرے، اور یہ طریقہ حفاظ محدثین کے شایان شان ہے اور وہی اس کو بروئے کار لاتے ہیں، اسی طرح متقدمین علماء بھی ماقبل تدوین زمانہ میں اس طریقہ کو استعمال کرتے تھے۔

### اس طریقہ تخریج واسلوب کی خصوصیات:

1. یہ واحد طریقہ و اسلوب ہے کہ جس کے بعد ہم حتمی اور یقینی طور سے کسی حدیث کے بارے میں اس بات کا حکم لگا سکتے ہیں کہ مطلوبہ حدیث فلاں کتاب حدیث میں موجود ہے یا فلاں میں موجود نہیں ہے۔

کیونکہ گزشتہ ذکر کئے گئے تمام طرق و اسالیبِ تخریج میں کبھی کبھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ باحث مطلوبہ حدیث کو کسی کتاب میں نہیں ڈھونڈ پاتے جب کہ وہ حدیث اس کتاب میں موجود ہوتی ہے، تو باحث و محقق اسے گزشتہ اسالیب وطرق کے تحت کتب میں تلاش کرتا ہے جس کی بنیاد پر وہ اسے نہیں ملتی، جب کہ محدثین کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث یقینی طور سے اسی کتاب میں موجود ہے، تو اگر کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو حدیث کو پایا جا سکتا ہے، کیونکہ کبھی حدیث فہارس میں ذکر نہیں

کی گئی ہوتی اور کبھی فہارس مرتب کرنے والوں سے بھول چوک ہوگئی ہوتی ہے۔

2. قراءۃ عمیق اور بالاستیعاب مطالعہ ہی کسی حدیث کی خفیہ علت تک پہنچاتا ہے۔

کیونکہ کسی ایک موضوع سے متعلق تمام روایات حدیث کا بالاستیعاب مطالعہ اسے مطلوبہ حدیث کے راویوں کے مابین اختلاف سند و متن کی صورت میں وہم راوی کی بناء پر حدیث کی علت سے آگاہ کرتا ہے، جوکہ گزشتہ اسالیب کے تحت سامنے نہیں آسکتا، ماہرین فن اس بات کو بخوبی جانتے ہیں۔

3. بالاستیعاب مطالعہ کی بدولت باحث و محقق کسی بھی کتابِ حدیث کے منہج اور اسلوب تالیف سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔

4. بالاستیعاب مطالعہ کے نتیجے میں طالب علم کو کثیر فوائد حاصل ہوتے ہیں جنہیں وہ اسی مقام پر کتاب کے اندر مندرج کرلیتا ہے،

خصوصاً وہ فوائد جوکہ اپنے مقامات پر عموماً نہیں پائے جاتے، اسی طرح باحث و محقق کے ذہن میں مطالعہ کرتے ہوئے کئی علمی فوائد بھی سامنے آتے ہیں اور احکام کا استنباط بھی ہوتا رہتا ہے جوکہ باحث کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسی مقام پر ان فوائد کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرلے اور اسی مقام پر اسے نوٹ کی شکل میں تحریر کرلے، تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ بھول نہ جائے۔

5. سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ یہی وہ اسلوب ہے جس کی بناء احادیث نبویہ کے متون کا استحضار رکھا جاسکتا ہے۔
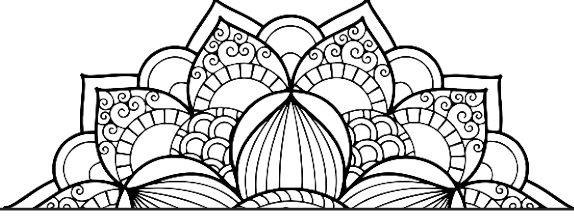
# حصہ دوم: دراسہ اسانید

پہلا مرحلہ:

مطلوبہ روایت کے تمام طرق کی تخریج

دوسرا مرحلہ:

مطلوبہ روایت کے تمام طرق کا نقطہ اختلاف واتفاق (مدار سند سے)
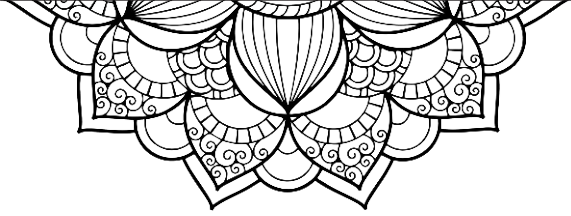
## حصہ دوم: دراسہ اسانید

کسی بھی حدیث کی سند کی دراستہ اور اسے پرکھنے کا عمل اور اس کے بعد اس پر حکم لگانا کئی مراحل کا محتاج ہوتا ہے، ذیل میں ہم اس طریقہ کار کو پانچ مراحل میں تقسیم کرکے اس پر بحث کریں گے۔

### پہلا مرحلہ: مطلوبہ روایت کے تمام طرق کی تخریج

کسی بھی حدیث کی سند کی جانچ پرکھ اور دراستہ کے لئے سب سے پہلے مرحلہ میں اس حدیث کی حصہ اول میں مذکور شدہ طرق تخریج کو استعمال میں لاتے ہوئے تخریج کی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں اس مطلوبہ حدیث کے تمام طرق مختلف مصادر حدیثیہ میں سے واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں، اور مطلوبہ حدیث کے تمام طرق میں راویان حدیث کے مابین متون واسانید میں اختلافات واضح ہوجاتے ہیں۔

### دوسرا مرحلہ: مطلوبہ روایت کے تمام طرق کا نقطہ اختلاف واتفاق (مدار سند سے)

اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں مطلوبہ حدیث کے تمام طرق کو اس حیثیت سے پرکھا جاتا ہے کہ کہاں راویان حدیث کے مابین سند میں اتصال وانقطاع کے لحاظ سے اختلاف واقع ہوا ہے اور کہاں وہ آپس میں اتفاق کرتے پائے جاتے ہیں، اسی طرح متن حدیث کے سلسلے میں کہاں وہ الفاظ میں اختلاف کرتے پائے جاتے ہیں اور کہاں اتفاق کرتے ہیں، نادر ہی ایسے مواقع ہوتے ہیں کہ جہاں کسی حدیث کی سند یا متن میں راویان حدیث کے مابین کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ پایا جائے۔

وہ اختلاف صرف سند میں بھی ہوسکتا ہے، اور صرف متن میں بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح سند ومتن دونوں میں بھی ہوسکتا ہے، اور عموماً ان احادیث میں پایا جاتا ہے جو بکثرت مصادر حدیثیہ میں ذکر کی گئی ہوں، اور ان کی اسانید وطرق کثرت سے ہوں، لہٰذا اس کے بعد باحث ومحقق کے سامنے یہ تمام نقاط

اختلاف واتفاق مستحضر ہونے چاہئیں، کیونکہ کسی بھی سند کی دراستہ اور جانچ انہی نقاط پر انحصار کرتی ہے، اگر ان اختلافات اسانید ومتون کا استحضار ہو گا تو اسانید کی دراستہ ایک منہج اور اسلوب کے تحت منظم طریقے سے سامنے آئے گی، اور جہاں تک راویان حدیث کا اتفاق ہو گا وہ بھی واضح ہو گا اور جہاں سے آپس میں اختلاف ہو گا وہ بھی بخوبی واضح ہو گا۔

انہی نقاط کو سامنے رکھتے ہوئے باحث ومحقق کسی بھی معین حدیث کے تمام طرق واسانید کو ایک خاکہ کی شکل میں ڈھال سکے گا، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" میں اسلوب اختیار کیا ہے، جس کے مطابق وہ صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد ان سے روایت کرنے والے دیگر راویان حدیث کو بیان کرتے ہوئے مدار سند کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد اگر مدار سند سے روایت کرتے وقت راوی اختلاف کرتے ہیں تو ان کے اختلاف کو واضح کرتے ہیں، چاہے وہ سند میں یا متن میں ہو، یہاں تک کہ ہر طبقہ میں راویان حدیث کا اتفاق و اختلاف واضح کرتے جاتے ہیں۔

جس کے نتیجے میں آخر میں تمام وجوہ اختلاف واتفاق سامنے آجاتے ہیں، اور یہ بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اختلاف کرنے والے جماعت کی صورت میں ہیں یا کوئی ایک فرد واحد اختلاف کر رہا ہے، اس مرحلہ کے مکمل ہونے پر کسی بھی حدیث کی اسانید ومتون مکمل وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہیں۔
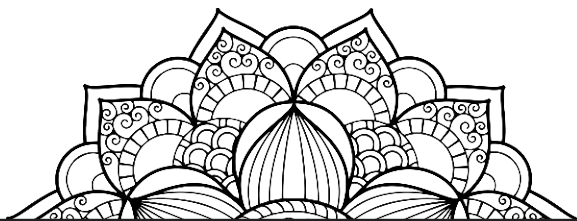
# حصہ دوم: دراسہ اسانید

تیسرا مرحلہ: راویان سند کے أحوال وتراجم

## قسم اول:

## تعیین رواۃ اور ابہام رواۃ کے دور کرنے کے اسالیب

مبہم راوی کی معرفت کے طرق

أ. تخریج کو انتہائی وسیع پیمانے تک پھیلانا

ب. کتب مبہمات اور تراجم رجال کی کتب میں مبہمات کی فصول مہمل راوی کی معرفت کے طرق

أ. تخریج کو وسیع پیمانے تک پھیلانا

ب. مذکورہ راوی کے شیوخ وتلامذہ کی دراستہ

ت. کتب أطراف، کتب تخریج وعلل اور کتب "مشیخة" کی طرف رجوع

ث. قرائن "اتحاد البلد" و" المعاصرة"
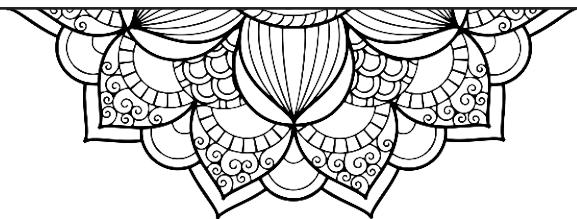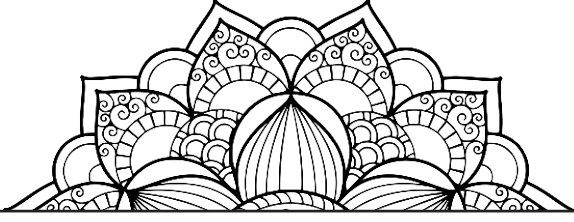
## حصہ دوم: دراسہ اسانید

تیسرا مرحلہ: راویان سند کے أحوال وتراجم

## قسم ثانی:

## رواۃ کی تاریخ پیدائش ووفات اور معرفت طبقات

أ. سند میں سقط ظاہر کا ادراک

ب. سماع کی صراحت
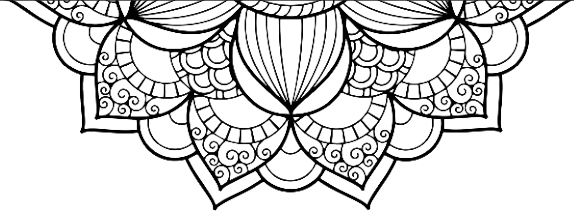
## تیسرا مرحلہ: راویان سند کے أحوال وتراجم

اس مرحلہ پر سند میں موجود تمام راویان حدیث کا مکمل أحوال تراجم رجال کی کتب سے تلاش کیا جاتا ہے، یہ ایک انتہائی اہم مرحلہ ہوتا ہے، اور اسی بناء پر طوالت کا متقاضی ہوتا ہے، جس میں باحث و محقق کو کافی مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی طوالت و مشکلات کی بناء پر اس مرحلہ کو مزید حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. **تعیین راوی:** سند میں موجود راویان حدیث کے احوال کے ذکر کرنے میں پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ مطلوبہ سند میں ہر ہر راوی کی حتمی طور سے تعیین ہو جائے۔

یعنی ان کی مکمل معرفت حاصل ہو جائے تاکہ باحث و محقق کو ان کے احوال و درجات پر عمیق انداز میں علم حاصل ہو سکے، اور جرح و تعدیل کے تناظر میں اس کی صفات بیان کر دی جائیں، اگر باحث کو کسی بھی راوی کی تعیین میں غلطی لاحق ہوگئی تو اس بناء پر کسی بھی حدیث پر حکم لگانے میں یقیناً اسے غلطی اور خطا کا سامنا کرنا پڑے گا، اور اسی طرح آگے چل کر تمام اسانید کے تناظر میں مطلوبہ حدیث پر حکم لگانے میں بھی لغزش ہوگی۔

لہٰذا اس مرحلہ پر انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ حدیث پر حکم میں کسی قسم کی خطا کا احتمال باقی نہ رہے، تاہم اگر کسی ثقہ راوی کو غلطی سے دوسرے ثقہ راوی سے بدل دیا، یا کسی ضعیف راوی کو غلطی سے دوسرے ضعیف راوی سے بدل دیا تو حدیث پر حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا لیکن اگر اس کے برعکس ہوا یعنی ثقہ راوی کو ضعیف سے بدل دیا یا ضعیف راوی کو ثقہ سے بدل دیا تو یہ بہت بڑی لغزش شمار ہوتی ہے، جو کہ آگے چل کر حدیث پر حکم کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔

### راوی کے تعیین کے اس مرحلہ کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

- **پہلی صورت:** اگر سند میں کوئی راوی مبہم ذکر ہو، یعنی ایسا راوی کہ جس کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو،

مثال کے طور پر سند میں کہا جائے:

"عن رجل"، "عن أحد من الناس" یا "حدثني فلان" تو اس صورت میں مذکورہ راوی کی تعیین ضروری ہے، تاکہ سند پر حکم لگانا آسان ہو سکے، یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر راوی کی تعیین نہ ہو سکے اور وہ مبہم ہی رہا تو حدیث ضعیف ہو گی، بعض علماء کے مطابق ایسی صورت میں یہ حدیث منقطع شمار ہوتی ہے اور منقطع ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

یہاں ایک اہم مسئلہ ذکر کرنا ضروری ہے جو کہ مبہم راوی کی تعدیل سے متعلق ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ راوی سند ذکر کرتے وقت کہے: "حدثني الثقة" اور اس کا نام ذکر نہ کرے، یا کہے "حدثني من لا أتهم"، یا "حدثني رضيٌّ –من الرضا– من الناس" جیسے کلمات کا استعمال کرے، تو کیا یہ اس کی توثیق شمار ہو گی؟ کیونکہ وہ راوی کا نام نہیں لے رہا تاہم اس کی توثیق کا اثبات کر رہا ہے، اس قسم کے کلمات کے استعمال میں امام شافعی رحمہ اللہ کافی مشہور ہیں۔

اس سلسلے میں علماء و محدثین نے امام شافعی رحمہ اللہ کی مذکورہ کلمات سے مراد کے بارے میں کافی تفصیلی بحث کی ہے، کہ امام شافعی رحمہ اللہ ان کلمات سے مراد "الإمام أحمد" لیتے ہیں، "إسماعيل بن عُليّة" مقصود ہیں، "حماد بن سلمة" ہیں یا "ابن أبي يحيى الأسلمي" لیتے ہیں جو کہ مشہور متروک راوی ہیں۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "نزهة النظر" میں ابہام کی اس قسم کی تعدیل کو ناقابل قبول قرار دیا ہے، اور اس کا سبب بھی بیان کیا ہے کہ کبھی کبھار کوئی راوی کسی ایک محدث کے مطابق ثقہ ہوتا ہے جب کہ یہی راوی دوسرے امام محدث کے مطابق ضعیف ہوتا ہے۔ اس احتمال کی بدولت اس قسم کے ابہام کی توثیق قبول نہیں کی جا سکتی [1]۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نزهة النظر ص 49۔

## راوی کے ابہام کو دور کرنے کے طرق واسالیب :

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جب سند میں راوی مبہم ذکر کیا گیا ہو تو اس کے ابہام کو دور کرنے کے لئے علماء ومحدثین نے مختلف طرق واسالیب ذکر کئے ہیں:

أ. تخریج کو انتہائی وسیع پیمانے تک پھیلانا۔

کسی بھی راوی کے ابہام کو دور کرنے کا پہلا اسلوب وطریقہ یہ ہے کہ مطلوبہ حدیث کی تخریج کو وسیع پیمانے تک پھیلایا جائے اور جتنی بھی کتب حدیثیہ دسترس میں ہوں، ان میں مطلوبہ حدیث کو تلاش کیا جائے، کیونکہ کبھی کوئی راوی کسی ایک سند میں مبہم ذکر ہوتا ہے جب کہ یہی راوی کسی دوسری سند میں تعیین کے ساتھ ذکر ہوتا ہے اور اس کو نام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح ہی ہمیں مبہم کی پہچان ہو سکتی ہے اور اس پر حکم لگانا آسان ہو جاتا ہے۔

ب. راوی کے ابہام کو دور کرنے کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کتب کو رجوع کیا جائے جو مبہمات کے بارے میں تالیف کی گئی ہیں۔

لیکن یہ بات مد نظر رہے کہ مبہماتِ اسانید سے زیادہ مبہماتِ متون کو اہمیت دی گئی ہے، تاہم اس سلسلے کی بہترین معاون کتاب أبوزرعہ عراقی رحمہ اللہ کی "المستفاد في مبهمات المتن والإسناد" ہے۔

ت. مبہم راوی کی تعیین ومعلومات کے لئے تیسرے مرحلہ پر تراجم رجال کی کتب میں مبہمات سے متعلق فصول کا مطالعہ بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔

جیسا کہ امام مزی رحمہ اللہ کی "تهذيب الكمال"، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "تهذيب التهذيب" اور انہی کی دوسری کتاب "تقريب التهذيب" جب کہ ان کی تیسری کتاب "تعجيل المنفعة" بھی اس ضمن میں اہمیت رکھتی ہے۔ ان کتب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مبہمات سے متعلق فصول میں راویوں کی تعیین کرتے ہیں اور ان کے نام ذکر کرتے ہیں اور کبھی یہ بھی فرماتے ہیں کہ "لم أجده"، تو اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کسی راوی کے بارے میں فرمائیں کہ "لم أجده" تو باحث یقینی طور سے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس

کی جہد اور بحث سابقہ امام محدث کی بحث سے مطابقت رکھتی ہے، تو اگر ان کتب میں راوی کا نام پایا جائے تو فائدہ ہوگا اور اگر نہ پایا جائے تو بھی اس میں فائدہ ہی ہے۔

- **دوسری صورت:** اگر سند میں کوئی راوی مہمل پایا جائے، یعنی راوی کا نام تو ذکر کر دیا گیا ہو لیکن اس کی ذات کے بارے میں تعیین نہ ہو سکے، اس ضمن میں وہ راوی بھی شامل ہیں جو کہ باپ کی بجائے دادا کی طرف منسوب ہوں، مثال کے طور پر "سعید بن کثیر بن عُفیر" جنہیں اکثر اوقات "سعید بن عُفیر" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

تو اگر باحث اس راوی کو "سعید بن عُفیر" کے نام سے تلاش کرنا چاہے تو مشکل ہے کہ وہ اسے کتب تراجم میں ڈھونڈ سکے، یا تو باحث "سعید بن عُفیر" نام کا دوسرا راوی پائے گا جب کہ اس کا مقصد "سعید بن کثیر بن عُفیر" ہوگا۔

اسی طرح "أحمد بن عبد الله بن یونس" جو کہ اکثر اپنے دادا کی طرف منسوب ذکر ہوتے ہیں، انہیں بھی مہمل راویوں کی فہرست میں شمار کیا جا سکتا ہے، تو جو راوی بھی اپنے دادا کی طرف منسوب ذکر ہو اسے مہمل کی فہرست میں ذکر کیا جا سکتا ہے، اگر چہ ظاہری طور سے وہ منسوب اور واضح ذکر کیا گیا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس انتساب کی بدولت اسے تراجم رجال کی فہرست میں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مہمل راویوں کی فہرست میں وہ راوی بھی شامل ہوتے ہیں جو تدلیس شیوخ کے ساتھ مدلَس واقع ہوئے ہوتے ہیں، جس کی بناء پر انہیں کسی ایسے نام، کنیت یا لقب سے یاد کیا جاتا ہے جس سے وہ مشہور و معروف نہیں ہوتے اور یہی تدلیس شیوخ ہے۔ تو اگر باحث کے سامنے کوئی سند آئے جس میں "حدثنا ابن المغیرة الجعفي" کے الفاظ ذکر ہوں، تو یقیناً باحث کے ذہن سے یہ بات اوجھل ہوگی کہ اس سے مراد "محمد بن اسماعیل بن المغیرة الجعفي البخاري" ہیں، جو کہ مشہور امامِ حدیث ہیں۔ ان کے دادا کی طرف نسبت کرنا ہی درحقیقت تدلیس شیوخ ہے۔

تو جب تک اس کی تعیین مکمل طور سے نہ ہو جائے وہ مہمل ہی رہے گا۔ اگر چہ اس راوی کا نام ذکر

کیا گیا ہو مثال کے طور پر "مُحَمَّد" نام سند میں ذکر کیا جائے، تو اس نام کے راوی کتب تراجم میں کثیر تعداد میں مذکور ہیں اس سے یہ ادراک نہیں ہوتا کہ کون سا محمد راوی مقصود ہے۔

## مہمل راوی کی معرفت کے طرق واسالیب:

جب سند میں راوی مہمل ذکر کیا گیا ہو تو اس کے اہمال کو دور کرنے کے لئے علماء و محدثین نے مختلف طرق واسالیب ذکر کئے ہیں:

أ. تخریج کو وسیع پیمانے تک پھیلانا۔

کسی بھی راوی کے اہمال کو دور کرنے کا پہلا اسلوب وطریقہ یہ ہے کہ مطلوبہ حدیث کی تخریج کو وسیع پیمانے تک پھیلایا جائے اور جتنی بھی کتب حدیثیہ دسترس میں ہوں، ان میں مطلوبہ حدیث کو تلاش کیا جائے، کیونکہ کبھی کوئی راوی کسی ایک سند میں مہمل ذکر ہوتا ہے جب کہ یہی راوی کسی دوسری سند میں تعیین کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔

جب اس کے تمام طرق کی تخریج کی جائے گی تو کئی اسانید وطرق سامنے آئیں گے جن کے نتیجے میں وہ مہمل راوی کسی نہ کسی سند میں معین طور سے مکمل نام کے ساتھ سامنے آجائے گا، اور غالباً یہی طریقہ تعین راوی کے لئے سب سے بہترین طریقہ شمار کیا جاتا ہے۔

ب. مطلوبہ راوی کے شیوخ وتلامذہ کی دراستہ وتمحیص کے ذریعے اس راوی کی تعیین کرنا۔

یعنی مطلوبہ مہمل راوی کے شیوخ وتلامذہ کو کتب تراجم میں تلاش کیا جائے اور ان کے احوال کی معرفت کے ذریعے اس راوی کی تعیین میں معاونت لی جائے، مثال کے طور پر امام حمیدی رحمہ اللہ کی حدیث جو کہ وہ عمرو بن دینار سے بواسطہ "سفیان" رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، اس سند میں حمیدی رحمہ اللہ بھی معروف ہیں جو کہ "عبد اللہ بن الزبیر" ہیں، اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ بھی معروف ہیں، جب کہ سفیان یہاں مہمل ہیں کہ وہ ابن عیینہ ہیں یا ثوری یا کوئی تیسرا سفیان مراد ہے۔

اس صورت میں ہمیں امام حمیدی رحمہ اللہ کے اساتذہ کو دیکھنا ہوگا اگر ان کے اساتذہ میں سفیان سے

مراد "ابن عیینہ" ہو تو یہی مراد ہوگا، اگر حمیدی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں نہ ملے تو پھر عمرو بن دینار رحمہ اللہ کے تلامذہ کو دیکھنا ہوگا، اگر تلامذہ میں "سفیان بن عیینہ" موجود ہوا تو معلوم ہوگا کہ سند میں سفیان سے مراد "ابن عیینہ" ہی ہے، تاہم اگر دونوں کے تراجم میں سفیان نام کا کوئی راوی موجود نہیں ہے تو اس کے بعد دیگر طرق کی طرف مراجعت کی جائے گی۔

تاہم یہاں اشکال یہ بھی ہو سکتا ہے جو کہ اگرچہ قلیل الوقوع ہوتا ہے کہ "عمرو بن دینار" کے احوال کے ضمن میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ دونوں موجود ہوں، تو اس صورت میں پھر امام حمیدی رحمہ اللہ کے اساتذہ کو بھی دیکھا جائے گا کہ ان میں کون سا سفیان ہے، اور یقینی طور سے ان کے اساتذہ میں سفیان بن عیینہ ہیں نہ کہ سفیان ثوری۔

اس سلسلے کی وسیع ترین کتاب جس میں تلامذہ و شیوخ دونوں کو حصراً ذکر کیا گیا ہے وہ امام مزی رحمہ اللہ کی "تهذيب الكمال" ہے، جس میں انہوں نے شیوخ و تلامذہ کو حروف معجم کے اعتبار سے ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کتب ستہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے رموز بھی ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سے راوی نے کس راوی سے کون سی کتاب میں حدیث روایت کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شیخ سے کس کس نے روایت بیان کی ہے اور اسی کے نتیجے میں تحدید راوی میں معاونت ملتی ہے۔

امام مزی رحمہ اللہ نے "تهذيب الكمال" میں شیوخ و تلامذہ کے ذکر کرنے میں کافی حد تک استقصاء سے کام لیا ہے۔ ان کے بعد حافظ "مغلطاي بن قليج الحنفي" رحمہ اللہ نے اس کو مزید توسیع دیتے ہوئے "إكمال تهذيب الكمال" کے نام سے کتاب لکھی، جس میں انہوں نے امام مزی رحمہ اللہ کی تعقیب کے ساتھ ساتھ اس پر متعدّد جوانب سے زیادات بھی ذکر کیں، مثلاً اس میں وہ راوی بھی ذکر کئے جو کہ امام مزی رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کئے تھے، اور شیوخ و تلامذہ کا بھی اضافہ کیا جو کہ امام مزی رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کئے تھے۔ جرح و تعدیل کے وہ الفاظ بھی جو امام مزی رحمہ اللہ سے راویوں کی جرح و

تعدیل کے دوران رہ گئے تھے ان کا تذکرہ کیا۔

ت. کسی بھی راوی کا اہمال دور کرنے کا تیسرا طریق واسلوب "کتب أطراف" کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے، مثال کے طور پر امام مزی رحمہ اللہ کی "تحفة الأشراف"، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "إتحاف المهرة".

تو اگر باحث کے سامنے سند اس طریقے سے مذکور ہو "عن سعيد عن أبي هريرة"، یہاں مہمل راوی "سعید" ہیں، ان کی تعیین کے لئے "تحفة الأشراف" کی طرف رجوع کیا جائے گا، جس میں امام مزی رحمہ اللہ نے "حديث سعيد بن المسيب عن أبي هريرة" کے نام سے عنوان ذکر کیا ہوگا، اس کے تحت وہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایات ذکر کرتے ہیں، یہاں مطلوبہ روایت مل جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مہمل راوی سعید بن المسیب رحمہ اللہ تھے۔

کبھی امام مزی رحمہ اللہ تابعین کے بعد طبقہ ثانیہ کی طرف بھی التفات کرتے ہیں اور ان کی روایات بھی اسی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں، بلکہ طبقہ ثالثہ کی طرف بھی جاتے ہیں، جس کی بناء پر حماد بن زید رحمہ اللہ اور حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کی ثابت عن أنس رضی اللہ عنہ سے روایات کے بارے میں بھی معاونت مل سکتی ہے، اور یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ روایت حماد بن سلمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے یا حماد بن زید رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے، بشرطیکہ یہ حدیث ان کتب میں سے ہوئی جن کے بارے میں امام مزی رحمہ اللہ نے کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "إتحاف المهرة" کا بھی طریقہ کار ہے۔

ث. اسی طرح کسی راوی کے اہمال کو دور کرنے میں معاون کتب میں شروح حدیثیہ ہیں، مثال کے طور پر "فتح الباري" کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری میں مذکور مہمل راویوں کی تعیین میں خصوصی اہتمام فرماتے ہیں۔

بلکہ تعیین رواۃ کے سلسلے میں ان کی کتاب قواعد سے بھری پڑی ہے، مثال کے طور پر ان کا یہ

قول:" مُحَمَّد بن يوسف الفريابي وإن كان يروي عن السفيانين فإنه حين يطلق يريد به الثوري "[1]،

کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ سفیان سے بواسطہ فریابی رحمہ اللہ روایت کرتے پائے جائیں تو وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ہوگا، تو یہاں سفیان کی تعیین میں انہوں نے قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے، اسی طرح مہمل راویوں کی تعیین کے سلسلے میں کئی قواعد انہوں نے ذکر کیے ہیں۔

ج. اسی طرح کتب تخریج وعلل کی طرف رجوع کرنے سے بھی راویوں کا اہمال رفع ہوتا ہے، مثال کے طور پر "نصب الراية" اور "التلخيص الحبير" وغیرہ۔

کیونکہ ان کتب میں اسانید کی دراستہ کے دوران مہمل راویوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں اور ان پر حکم بھی لگائے جاتے ہیں، اسی طرح کتب علل بھی اس فہرست میں شمار کی جاتی ہیں، جیسا کہ امام دارقطنی کی رحمہ اللہ "العلل" اور امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی "العلل".

ح. راویان حدیث کے اہمال کو دور کرنے میں وہ کتب بھی معاون ومددگار ثابت ہوتی ہیں جن کتب میں ان کتب حدیثیہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جن میں مہمل راوی ذکر کیے گئے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے اہم کتاب جس کی مباحث کو زیر بحث لاکر اس کی خدمت کی گئی ہے وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح ہے، اس سلسلے میں صحیح بخاری کے مہمل راویوں کے بارے میں کتاب لکھی گئی ہے، اسی طرح بعض محدثین نے اپنی اپنی کتب میں خاص فصول اس بارے میں ذکر کی ہیں جس میں انہوں نے صحیح بخاری کے مہمل راویوں کی تعیین کی ہے جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المدخل إلى معرفة الصحيح" میں ایک خصوصی فصل اس بابت ذکر کی ہے جس میں انہوں نے بخاری رحمہ اللہ کے مہمل شیوخ کے بارے میں تفصیلی کلام ذکر کیا ہے۔

اسی طرح امام کلاباذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "رجال صحيح البخاري" میں یہی طریقہ اپنایا ہے، جہاں کتاب کے آخر میں انہوں نے کامل فصل اس بارے میں ذکر کی ہے اور بخاری رحمہ اللہ کے مہمل

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباري 162/1۔

شیوخ اور دیگر مہمل راوی ذکر کرتے ہیں اور ان کے نام ذکر کر کے ان کی تعیین کرتے ہیں۔

ان تمام کوششوں کو مد نظر رکھتے ہوئے أبوعلی الغسانی الجیانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تقیّید المهمل وتمیّیز المُشکل" میں ایک فصل بعنوان "التعریف بشیوخ حدّث عنهم مُحَمَّد بن إسماعيل البخاري في كتابه وأهمل أنسابهم وذكْر ما يُعرفون به من قبائلهم وبلدانهم" ذکر کی ہے، جس میں انہوں نے امام حاکم رحمہ اللہ اور حافظ کلاباذی رحمہ اللہ کی مباحث کے ساتھ ساتھ امام ابن السکن رحمہ اللہ کی مباحث سے بھی تعرض کیا ہے، اور مہمل راویوں کی تعیین کے سلسلے میں کافی عرق ریزی سے کام کیا ہے۔

خ. کتب علوم الحدیث میں سے وہ فصول و مباحث بھی مہمل راویوں کی تعیین میں مددگار ہو سکتی ہیں جو کہ مہمل راویوں کی تعیین پر مشتمل ہیں۔

جن محدثین نے مہمل راویوں کے تعین کے بارے میں فصول ذکر کی ہیں ان میں امام رامہرمزی رحمہ اللہ شامل ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "المحدث الفاصل" میں اس مبحث کو ذکر کیا ہے، انہوں نے تقریباً ستر صفحات پر مشتمل مہمل راویوں کی تعیین کی ہے، یہ کتاب در حقیقت امام موصوف نے ان لوگوں کی رد میں لکھی ہے جو یہ کہتے پائے گئے کہ علم الحدیث کی کوئی اہمیت نہیں ہے، تو اس علم کی گہرائی اور عمق کو بیان کرنے کے واسطے امام موصوف نے یہ کتاب تالیف فرمائی۔

اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے "سير أعلام النبلاء" میں حماد بن زید رحمہ اللہ کے احوال کے ضمن میں حماد بن زید اور حماد بن سلمہ کے درمیان تفریق کے سلسلے میں تفصیلی کلام فرمایا ہے، اور اہمال کی صورت میں ان دونوں راویوں کی پہچان کے قواعد ذکر کئے ہیں۔

د. راویوں کا اہمال اس صورت میں بھی مرتفع ہو سکتا ہے جب کسی بھی راوی کے اَحوال کے بارے میں انتہائی تفصیلی بحث و تمحیص اختیار کی جائے۔

مطلوبہ راوی کے شیخ یا تلمیذ کے احوال کے ضمن میں ائمہ محدثین سے ایسی عبارات و قواعد کا بیان مل سکتا ہے جس کے ذریعے مہمل راویوں کا تعین آسان ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر "إذا روى فلان

عن حماد فهو حماد بن سلمة وإذا أراد حماد بن زيد فإنه يسميه"، **تو اس جیسے قواعد کے ذریعے تعیین آسان ہوتی ہے، اسی طرح امام عجلی رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:** "كان حجاج -يعني ابن المنهال- إذا حدث عن حماد بن سلمة قال: حدثنا حماد، وإذا حدث عن حماد بن زيد قال: حدثنا حماد بن زيد". **تو ایسے قواعد راویوں کے اہمال کے دور کرنے کے سلسلے میں اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔**

**جب کہ سلیمان بن حرب رحمہ اللہ اس کے برعکس کہتے پائے گئے، یعنی** "أي أنه إذا أهمل فيقصد حماد بن زيد وإذا بيّن فيذكر حماد بن سلمة"، **یہ قاعدہ صرف امام عجلی کی کتاب میں ہی ملتا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی** "التهذيب" **میں کہیں اس قاعدہ کا ذکر نہیں پایا جاتا، جب کہ وہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اسی طرح** "معجم ابن الأعرابي" **میں عفان بن مسلم رحمہ اللہ سے مذکور ہے، فرماتے ہیں کہ** "كل شئ أقول حماد ولا أقول ابن فهو ابن سلمة"، **تو ان جیسے قواعد اور علماء کی عبارات بھی مہمل راوی کی تعیین میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔**

**ذ. اسی طرح وہ کتب بھی معاون ثابت ہوتی ہیں جن میں کسی ایک معین شخص اور امام محدث کے تلامذہ کا ذکر کیا گیا ہو۔**

**اس ضمن میں بعض علماء محدثین نے کسی ایک حافظ حدیث کے احوال کو الگ سے کتاب میں سموتے ہوئے اس سے روایت کرنے والوں کو بیان کیا ہے، ان کتب میں سے مشہور کتاب امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی** "الرواة عن مالك" **قابل ذکر ہے، جس میں انہوں نے امام مالک بن أنس رحمہ اللہ کے سینکڑوں شاگردوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کتاب کو مختصر کر کے رشید الدین بن العطار رحمہ اللہ نے** "مجرد أسماء الرواة عن مالك، للخطيب البغدادي" **نامی کتاب ترتیب دی، تجرید سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اسانید کو حذف کر دیا ہے، کیونکہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا طریقہ واسلوب یہ رہا ہے کہ وہ کسی راوی کا نام ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ سند بھی مفصل بطور دلیل ذکر کرتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ**

فلاں راوی نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح محمد بن مخلد الدوری رحمہ اللہ کی کتاب "ما رواہ الأکابر عن مالك" بھی قابل ذکر ہے، جس میں انہوں نے وہ اکابر ذکر کئے ہیں جنھوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے معاصر راوی یا ان کے شیوخ کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ان کے شاگرد ذکر ہیں۔

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب "رجال عروة بن الزبیر وجماعة من التابعین" بھی قابل ذکر ہے، جس میں انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے روایت کرنے والوں کو ذکر کیا ہے اور ان میں عروة بن الزبیر رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ، شعبہ رحمہ اللہ، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ، علی بن الحسین بن علی رحمہ اللہ اور دیگر تابعین شامل ہیں۔ اسی اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے معاصر علماء نے بھی کوشش فرمائی ہے جن میں مطالع الطرابیشی رحمہ اللہ کی "رواۃ محمّد بن إسحاق" قابل ذکر ہے۔

ر. اسی طرح مہمل راویوں کی تعیین میں کتب حدیثیہ کی تحقیق پر مشتمل مقدمات بھی معاون ہوتے ہیں۔

یعنی کسی کتابِ حدیث کی تحقیق کرتے وقت جب محقق وباحث اس کتاب کے مصنف کے احوال ذکر کرتا ہے تو اس مصنف کے تلامذہ وشیوخ کو بالتفصیل ذکر کرتا ہے، اس تفصیل کے ذریعے مہمل راوی کی تعیین میں مدد ملتی ہے، لہٰذا کسی کتاب میں مذکور مہمل راوی کی تعیین کے سلسلے میں اس کتاب کے تحقیقی مقدمے کی طرف توجہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

اس کی واضح مثال میں امام ابن أبي عاصم رحمہ اللہ کی کتاب "الأوائل" کا مقدمہ ہے، جس میں محقق "محمّد بن ناصر العجمي" نے ابن أبي عاصم رحمہ اللہ کے شیوخ کو جمع کیا ہے، ان کے بعد "باسم بن فیصل الجوابرة" نے "الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم" کے مقدمہ میں ان کے مزید شیوخ کا تذکرہ کیا ہے، جو کہ پہلے محقق سے رہ گئے تھے، یہی اسلوب بدر البدر نے أبو الشیخ رحمہ اللہ کی کتاب "أحادیث أبي الزبیر عن جابر" کے مقدمہ میں بھی اپنایا ہے، جس میں انہوں نے أبو الشیخ رحمہ اللہ کے تمام شیوخ کو

ذکر کیا ہے اور ان کے احوال ذکر کئے ہیں۔

ز. راوی کے اہمال کو دور کرنے کے سلسلے میں معاون کتب میں سے "مشیخة" بھی شامل ہیں، یعنی وہ کتب جو کہ کسی راوی کے شیوخ کی روایات پر مشتمل ہوں۔

مثال کے طور پر اگر امام طبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے وقت کسی مہمل راوی سے روایت کریں تو اس راوی کی تعیین کے سلسلے میں ہمیں امام طبرانی رحمہ اللہ کی "المعجم الصغیر" کی طرف رجوع کرنا فائدہ مند ہوگا، کیونکہ اس "المعجم الصغیر" کو انہوں نے اپنے شیوخ کے بیان کے لئے خاص رکھا ہے۔

اسی طرح أبو بکر إسماعیلی رحمہ اللہ (صاحب المستخرج) اگر کسی مہمل راوی سے روایت کرتے پائے جائیں، تو اس راوی کی تعیین کے لئے اس کے "مشیخة" کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اس طرح أبو یعلیٰ رحمہ اللہ کے مہمل شیوخ کے لئے ان کے مشیخة (معجم شیوخ) کی طرف رجوع کرنا ہوگا، ان کتب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مہمل راوی کا مکمل نام ذکر کرتی ہیں اور کبھی کبھار ان شیوخ کی توثیق و تجریح بھی ذکر کرتی ہیں۔

س. کبھی مہمل راوی کی تعیین کے لئے کچھ قرائن کو بھی مد نظر رکھنا ہوتا ہے جو کہ معاون ثابت ہو سکتے ہیں، ان میں سے:

- "اتحاد البلد"، یعنی اگر راوی مہمل پایا جائے جو کہ کسی مکی سے روایت کرتا ہو۔

یعنی اس کا شیخ جو کہ اس سند میں موجود ہو وہ مکہ سے تعلق رکھتا ہو، اور اس مہمل کا شاگرد بھی مکہ سے تعلق رکھتا ہو تو ضرور بالضرور یہ مہمل راوی بھی مکہ سے تعلق رکھتا ہوگا۔ تو ایسی صورت میں مطلوبہ مہمل راوی کو مکیین کی فہرست میں ڈھونڈا جائے گا، اور اس نام کے مکی راویوں میں اسے تلاش کیا جائے گا۔

- "المعاصرة"، جب کسی بھی راوی کے اہمال کا معاملہ درپیش ہو تو اس صورت میں معاصرت کا قرینہ بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر سند میں کوئی راوی سفیان بن حسین رحمہ اللہ کے نام سے ذکر ہو، اور اس نام کے دو راوی ہوں، اور تعیین نہ ہو رہا ہو کہ یہاں کون سا سفیان بن حسین مراد ہے، تو اس صورت میں معاصرت کو زیر غور لایا جائے گا، اگر ان سفیانین میں سے ایک سفیان سند میں مذکور شیخ کے معاصر ہو تو یقیناً یہی سفیان مراد ہوگا۔ لہٰذا معاصرت کا قرینہ بھی اہمال کے دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

- "مہمل راوی کسی شیخ سے کثرت روایت کے ساتھ معروف ہو"۔

مثال کے طور پر امام حمیدی عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ روایت ذکر کرتے وقت اگر سفیان کا نام لے تو اس سے یقیناً ابن عیینہ مراد ہوں گے، کیونکہ امام حمیدی رحمہ اللہ سفیان بن عیینہ سے بکثرت روایت کرنے والے ہیں، اسی طرح اگر امام بیہقی رحمہ اللہ فرمائیں "حدثنا أبو عبد الله" تو اس سے مراد امام حاکم رحمہ اللہ ہوں گے کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ امام حاکم رحمہ اللہ سے بکثرت روایت سے معروف ہیں۔

ش. مہمل راوی کی تعیین کے سلسلے میں معاون کتب میں وہ کتب بھی شامل ہیں جو راویوں کی کنیت کے بارے میں لکھی گئی ہوں۔

اور یہ کتب اس وقت زیادہ معاون ثابت ہو سکتی ہیں جب سند میں کوئی راوی کنیت کے ساتھ مذکور ہو، اس ضمن میں سرفہرست کتب میں سے امام احمد رحمہ اللہ کی "الکنی" ہے جو کہ ان کے بیٹے صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے، اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب "الکنی" جو کہ ان کی کتاب "التاريخ الكبير" کے آخر میں ذکر ہے، یہ کتاب ان راویوں کے بارے میں معاونت فراہم کرتی ہے جن کے نام معروف نہیں ہیں یا ان کی کنیت ہی ان کا نام ہوتی ہے، مثال کے طور پر "أبو بكر بن عيّاش" رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ ان کا نام ہی أبو بکر تھا۔

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب "الكنى والأسماء" بھی قابل ذکر ہے، امام دولابی رحمہ اللہ کی "الكنى والأسماء" بھی اسی فہرست میں ہے۔ أبو أحمد الحاکم رحمہ اللہ کی "الکنی"، امام ذہبی رحمہ اللہ کی "المقتنى في سرد الكنى"، ابن مندۃ رحمہ اللہ کی "الکنی" جو کہ "فتح الباب في الكنى والألقاب" کے نام

سے مطبوع ہے۔ اسی طرح حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی ”الاستغناء في معرفة من روی من أهل العلم المعروفين بالكنى“ قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح عمومی طور سے اس طریقہ میں معاون کتب میں وہ تالیفات بھی شامل ہیں جو کہ تراجم رجال پر مشتمل ہیں، ان کے آخر میں عموماً کنیات سے متعلق فصول ہوتی ہیں جیسا کہ ”تهذيب الكمال“ اور ”تهذيب التهذيب“ وغیرہ۔

ص. اگر مہمل راوی اپنے لقب سے ذکر ہو، تو اس کی تعیین کے لئے وہ کتب معاون ثابت ہوتی ہیں جو کہ راویوں کے القاب کی وضاحت کے لئے لکھی گئیں۔

ان میں اہم ترین کتاب امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی ”كشف النقاب“ ہے، اسی طرح ابن الفرضی رحمہ اللہ کی ”الألقاب“، ابن الفوطی رحمہ اللہ کی ”مجمع الآداب“ جس کے کچھ مخصوص حصے چھ ضخیم جلدوں میں موجود ہیں، اسی طرح أبو علی الجیانی رحمہ اللہ کی ”الألقاب في الصحيحين“، امام ذہبی رحمہ اللہ کی ”ذات النقاب في الألقاب“، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ”نزهة الألباب في معرفة الألقاب“ قابل ذکر ہیں، یہ امام شیرازی کی مسند کبیر ”الألقاب الكبير“ کا اختصار شمار کی جاتی ہے، اسی طرح ”طویل“ کی صفت سے ملقب راویوں کی تعیین کے سلسلے میں ”تسمية من لُقب بالطويل“ کتاب بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔

ض. اسی طرح بعض راوی نسب کے ساتھ مذکور ہوتے ہیں اور اہمال کا شکار ہوتے ہیں تو ان کا اہمال دور کرنے کے لئے ان کتب کو رجوع کیا جاتا ہے جو کہ أنساب سے متعلق تالیف کی گئی ہیں۔

اس سلسلے کی وسیع ترین کتاب امام سمعانی رحمہ اللہ کی ”الأنساب“ ہے، جو کئی طبعات کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب کئی جوانب سے اہم کتاب ہے، جن میں مہمل راوی کی تعیین کے ساتھ ساتھ یہ کتاب کتب تراجم میں بھی شمار ہوتی ہے، چونکہ یہ امام متقدمین میں سے ہیں لہٰذا مذکورہ کتاب میں کئی ایسے تراجم پائے جاتے ہیں جو دوسری کتب میں نہیں پائے جاتے۔

اسی طرح اس کتاب میں انہوں نے کئی دیگر کتب کو بھی سمویا ہے جیسے امام حاکم رحمہ اللہ کی "تاریخ نیسابور" جو کہ مفقود ہے وہ اس کتاب میں موجود ہے۔ اسی طرح کتب أنساب میں سے ابن طاہر المقدسی رحمہ اللہ کی "الأنساب المتفقة"، جس میں مصنف موصوف نے انتہائی دقت نظر اور عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کی ہے، اور مہمل راویوں کی تعیین کو ان کے شہروں کے لحاظ سے بھی ترتیب دیا ہے۔ اسی طرح امام حازمی رحمہ اللہ کی "عجالة المبتدي" بھی قابل ذکر ہے۔ اسی طرح اگر کسی راوی کی نسبت اس کے شہر کی طرف ہو تو اس سلسلے میں معاون کتب میں سے امام یاقوت حموی رحمہ اللہ کی "معجم البلدان" قابل ذکر ہے۔

ط. اگر مہمل راوی کسی کتاب حدیث کے مصنف کا شیخ ہو تو جیسا کہ گزر چکا کہ اسے اس مصنف کے شیوخ کی معاجم میں دیکھا جائے گا۔

تاہم اگر معجم میں نہ ملے تو اسی مصنف کی دیگر تالیفات میں اسے تلاش کیا جائے گا، ممکن ہے کہ وہاں اس کی تعیین کی گئی ہو، یا غالب امکان ہے کہ اسی تالیف میں مصنف نے ابتداء میں اس مہمل شیخ کو مکمل تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہو گا، کیونکہ عموماً علماء و محدثین کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کو پہلی دفعہ جب ذکر کرتے ہیں تو اس کا نام مکمل تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اور پھر بعد میں دوبارہ اس شیخ کا نام آئے تو اسے اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

ظ. اگر کوئی راوی صراحتاً اپنے نام کے ساتھ مذکور ہو تو اس کے نام کے اعراب میں انتہائی احتیاط کی جائے گی، کہ دوسرے راوی کے ساتھ تشابہ لازم نہ آئے۔

مثال کے طور پر "مُحَمَّد بن عبد الله المِخْرَمي" جو کہ "مُحَمَّد بن عبد الله المخَرِّمي" سے بالکل الگ راوی ہے، اور اعراب میں غلطی کی بناء پر تراجم میں خلط واقع ہو سکتا ہے، اس سلسلے میں راویوں کے ناموں کے اعراب کے صحیح تلفظ کے لئے کتب "المؤتلف والمختلف" کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اس قسم کی سرفہرست کتب میں سے عبد الغنی بن سعید أزدی رحمہ اللہ کی "المؤتلف والمختلف" ہے، اسی طرح

امام دارقطنی رحمہ اللہ کی "المؤتلف والمختلف"، امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی "المؤتنف في تكملة المؤتلف والمختلف"، ابن ماکولا رحمہ اللہ کی "الإکمال" شامل ہیں۔

انہی ابن ماکولا رحمہ اللہ نے الگ سے کتاب "تهذيب مستمر الأوهام" میں پچھلی تین کتب کے اوہام کو ذکر کیا ہے، ابن ماکولا کی "الإکمال" پچھلی تمام کتب سے بے نیاز کر دینے والی کتاب ہے۔ ان کے بعد ابن نقطہ رحمہ اللہ آئے اور انہوں نے ان کی کتاب کا تتمہ "تكملة الإكمال" کے نام سے ترتیب دیا۔ اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے "المشتبه" کے نام سے کتاب لکھی، ان کے بعد ان کی کتاب کی شروحات لکھی گئیں جن میں پہلے ابن ناصر الدین دمشقی رحمہ اللہ نے "توضيح المشتبه" کے نام سے دس جلدوں میں شرح لکھی، اور پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چار جلدوں میں "تبصير المنتبه بتحرير المشتبه" کے نام سے شرح لکھی۔

اسی طرح راویوں کے ناموں کے ضبط اعراب کے سلسلے میں "کتب الاشتقاق" بھی اہمیت رکھتی ہیں، ان میں امام اصمعی رحمہ اللہ کی "الاشتقاق" اور ابن درید رحمہ اللہ کی "الاشتقاق" قابل ذکر ہیں، اسی طرح ضبط أسماء کے سلسلے میں امام زبیدی رحمہ اللہ کی "تاج العروس" بھی قابل التفات ہے۔

راویوں کے ناموں کی تعیین وضبط اعراب کے سلسلے میں معاون کتب میں "المشتبه" شامل ہیں، ان میں اہم ترین کتاب امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی "تلخیص المتشابه" ہے، اسی طرح خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب "غُنية الملتمس في إيضاح الملتبس" بھی قابل ذکر ہے۔ جس کی فصل ثانی میں وہ راوی مذکور ہیں جن کے نام آپس میں مشابہت رکھتے ہیں جب کہ ان کی شخصیات مختلف ہیں۔

ع. اگر کسی راوی کا نام رسم الخط میں کسی دوسرے راوی کے نام کے ساتھ مکمل طور پر مشابہت رکھتا ہو تو ایسی صورتحال کو واضح کرنے کے لئے "کتب المتفق والمفترق" معاون ہوتی ہیں۔

ان میں سرفہرست کتاب امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی "المتفق والمفترق" جو کہ تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اسی طرح انہی کی کتاب "الموضّح لأوهام الجمع والتفريق" بھی قابل ذکر ہے، اس کی

خاصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں ان ائمہ کے اوہام ذکر کئے ہیں جنہوں نے راویوں کے ناموں میں غلطی کی اور ایک راوی کو الگ الگ ذکر کیا یا اس کے برعکس صورتحال کا سامنا کرنا پڑا، انتہائی اہم اور مفید کتاب ہے۔

یہ تمام تفصیل اس ضمن میں تھی کہ "دراسہ اسانید" کے سلسلے میں جو مراحل محدثین کرام نے ذکر کئے ہیں ان میں تیسرے مرحلہ پر "راوی کے احوال و تراجم پر مطلع ہونا" ہوتا ہے، راوی کے احوال پر مطلع ہونے کے سلسلے میں پہلا قدم "مبہم یا مہمل" راویوں کی تعیین تھی کہ اگر سند میں راوی مبہم یا مہمل ذکر ہو تو اس کی تعیین کے لئے کیا طریقہ و اسلوب اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اب راوی کے احوال و تراجم کے سلسلے میں دوسرا قدم مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہوگا اور مندرجہ ذیل امور کو مد نظر رکھنا ہوگا:

- ان راویوں کی تاریخ پیدائش، وفات اور ان کے طبقہ کی معرفت۔

یعنی راوی کے حالات کی بحث و تمحیص کے ضمن میں ان کی تاریخ پیدائش و وفات اور طبقات کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے، اور یہ کئی فوائد کا حامل ہوتا ہے:

جن میں سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس بات کا تیقن اور اطمینان ثابت ہو جاتا ہے کہ سند میں کسی قسم کا کوئی "ظاہری سقوط" واقع نہیں ہوا، یعنی کوئی راوی سند سے گرا ہوا نہیں ہے، اب یہ سقوطِ راوی یا تو ابتداء ہی سے موجود ہوگا یعنی یہ مذکورہ روایت ابتداء ہی سے انقطاعِ راوی کے ساتھ منقول ہوئی ہوگی اور کتب حدیثیہ میں اسی طرح منقطع پائی گئی ہوگی، اور سقوطِ راوی کے ساتھ ہی معروف ہوگی، یا پھر یہ سقوط راوی بعد میں واقع ہوا ہوگا، جو کہ مخطوطہ کی غلطی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا ہوگا یا طباعت کی اغلاط کی بناء پر راوی کا سقوط آیا ہوگا، لہٰذا راویوں کی تاریخ وفات و تاریخ پیدائش کی معرفت کی بناء پر کسی بھی باحث کی نظر سے کسی بھی حدیث کی سند میں سقطِ ظاہر مخفی نہیں رہ سکتا، کیونکہ اگر باحث کو یہ معلوم ہو جائے کہ راوی نے اپنے شیخ کا زمانہ نہیں پایا اور اس کی پیدائش مروی عنہ کی وفات کے بعد ہوئی ہے، اور نہ ہی اس کی معاصرت پائی گئی ہے تو اس صورت میں اسے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ سند میں کسی قسم کا سقوط راوی ہوا ہے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر محدثین کرام نے راویان حدیث کی سن پیدائش اور وفات کو محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی ہے، تاہم اگر ہم جائزہ لیں تو پہلی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں علماء و محدثین نے اس فن کے بارے میں کوئی مستقل کتاب کی تصنیف کی طرف دھیان نہیں دیا، اگرچہ اس علم کی مباحث کو انہوں نے پھر بھی قابل اعتناء رکھتے ہوئے شفوی طور سے سینہ در سینہ ان مباحث کو آگے پہنچانے پر اکتفاء کیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ علماء و محدثین نے چوتھی صدی ہجری میں اس علم کو مقیّد کرنے کی طرف توجہ دی۔

یہی وجہ ہے کہ شروع کے زمانہ میں چونکہ ان مباحث کو لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین کرام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تواریخ وفات میں کثرت سے اختلاف کرتے پائے گئے ہیں، جب کہ تواریخ پیدائش میں تو یقیناً اختلاف واقع ہوا ہوگا، جب کہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں راویوں کی تاریخ پیدائش و وفات میں اس قسم کا کوئی واضح اختلاف سامنے نہیں آتا، تو جتنا ابتدائی زمانہ ہوگا اتنا ہی تواریخ میں اختلاف زیادہ ہوگا اور جتنا زمانہ پہلی صدی ہجری سے دور ہوتا گیا اتنا ہی اختلاف کم ہوتا گیا اور تواریخ پیدائش اور وفات منضبط ہوتی گئیں۔

اس سلسلے کی اولین کتب میں سے امام أبونعیم الفضل بن دکین رحمہ اللہ کی ''الوفيات'' قابل ذکر ہے، اسی طرح عبدالباقی بن قانع رحمہ اللہ کی ''الوفيات'' بھی ہے جس میں انہوں نے 346 ہجری تک کے راوی ذکر کئے ہیں۔ مقدم الذکر کتاب تو موجود ہے تاہم مؤخر الذکر آج موجود نہیں ہے تاہم اس کی جملہ مباحث متاخرین کی کتب میں سموئی گئی ہیں۔

اس ضمن میں اہم ترین کتاب أبوالقاسم بغوی رحمہ اللہ کی ''تاريخ وفيات الشيوخ الذين أدركهم أبو القاسم البغوي'' ہے، جو کہ 317 ہجری میں فوت ہوئے، اصل میں یہ کتاب ایک مسودہ تھی جس میں أبوالقاسم بغوی رحمہ اللہ اپنے معاصر علماء کی تاریخ وفات درج کرتے رہتے تھے اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے، أبوالقاسم رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے یہ اوراق ان کے ایک بیٹے کے پاس آئے، جو

انہوں نے چوتھی صدی ہجری کے ایک مشہور و معروف عالم "محمّد بن المظفر البغدادي" رحمہ اللہ کے حوالے کردئے، انہوں نے اس کتاب کو ترتیب دینے کے بعد منظر عام پر لایا، جب کہ یہ کتاب محمد بن المظفر رحمہ اللہ کی ترتیب کے ساتھ اب موجود ہے۔

اس کے بعد "ابن زبر الرَبَعي" رحمہ اللہ کی "تاريخ مواليد العلماء ووفياتهم" بعد کے علماء کے لئے بہترین کتاب ثابت ہوئی جس پر انہوں نے تتمات لکھے، اس کتاب میں انہوں نے 357 تک تواریخ جمع کیں، اس پر "عبد العزيز بن أحمد الكتاني" رحمہ اللہ نے تتمہ لکھا جو کہ 338 ہجری سے لے کر 462 ہجری تک شامل ہے۔ ان کے بعد " هبة الله ابن الأكفاني " رحمہ اللہ نے "ذيلُ ذيلِ تاريخ مواليد العلماء ووفياتهم " کے نام سے مزید اضافہ فرمایا جو کہ 463 ہجری سے شروع ہو کر 485 ہجری تک شامل ہے۔ ان کے بعد "أبو الحسن علي بن المفضل المقدسي" رحمہ اللہ نے "وفيات النقلة" کے نام سے مزید اضافہ فرمایا اور 581 ہجری تک پہنچایا۔

ان کے بعد حافظ منذری رحمہ اللہ نے "تكملة وفيات النقلة" کے نام سے اضافہ فرمایا، جو کہ چار جلدوں میں موجود ہے، اور 642 ہجری تک تواریخ پہنچائیں، جو اپنے موضوع میں انتہائی اہمیت کی حامل کتاب ہے جس میں انہوں نے راویوں کے نام کے اعرابات بھی واضح ذکر کئے، نامور محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف نے اس کتاب کی بہترین اور قابل قدر خدمت کرتے ہوئے اس کی تحقیق فرمائی، اس کے بعد اس موضوع پر "عز الدين أحمد بن محمّد الحسيني" نے "صلة التكملة لوفيات النقلة" کے نام سے کتاب تالیف فرمائی، تاہم وہ مطبوع نہیں ہے، اس کا تتمہ "أحمد بن أيبك الدمياطي " نے "ذيّل الصلة" کے نام سے ترتیب دیا۔

ان کے بعد حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اس کا تتمہ ترتیب دیا، ان کے بعد حافظ عراقی رحمہ اللہ کے بیٹے أبوزرعہ عراقی رحمہ اللہ نے اس کا تتمہ لکھا، اس کے بعد اس کتاب کے تتمات لکھنا ختم ہو گئے، لیکن اس کے بعد دیگر کتب آنا شروع ہوئیں جن میں پوری پوری صدی کے علماء کے احوال سے بحث ہوتی تھی مثال

کے طور پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة"، ان کے بعد امام سخاوی رحمہ اللہ نے "الضوء اللامع في أعيان القرن التاسع" کے نام سے کتاب لکھی، ان کے بعد دسویں صدی ہجری میں امام غزی رحمہ اللہ نے "الكواكب السائرة في أعيان المائة العاشرة" کے نام سے کتاب ترتیب دی، اسی طرح عیدروس رحمہ اللہ کی کتاب "النور السافر في أعيان القرن العاشر"، اور دسویں صدی ہجری میں "المحبي" رحمہ اللہ کی "خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر"، پھر "لمرادي" رحمہ اللہ کی "سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر" قابل ذکر ہیں۔

ان کے بعد ہر شہر اور علاقے کے علماء کے بارے میں مختلف کتب لکھی گئیں، مثال کے طور پر دسویں صدی سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے علماءِ حجاز کے بارے میں کتاب لکھی گئی، اسی طرح نجد کے علماء کے بارے میں شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ کی کتاب "علماء نجد خلال ستة قرون"، علماء مغرب کے بارے میں "النشر المثاني" قابل ذکر ہیں۔

الغرض متاخر زمانہ میں بلاد اسلامیہ میں سے کوئی علاقہ ایسا نہ تھا کہ جس کے علماء کے بارے میں کتاب نہ لکھی گئی ہو، ان سب میں سے اہم کتاب جس میں پچھلی تمام کتب کو سمویا گیا ہے وہ امام زرکلی رحمہ اللہ کی "الأعلام" ہے، اس کتاب کے تتمات بھی ترتیب دیئے گئے جن میں پہلا تتمہ محمد خیر رمضان یوسف رحمہ اللہ کا "تتمة الأعلام" کے نام سے جب کہ دوسرا تتمہ أحمد علاونہ رحمہ اللہ کا "ذيل الأعلام" کے نام سے ہے۔

اس کے علاوہ کتب جو کہ وفیاتِ محدثین کو بیان کرتی ہیں ان میں عموماً تراجم رجال کی کتب بھی شامل ہیں مثال کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کی "التاريخ الكبير" اور "التاريخ الأوسط"، اسی طرح "تاريخ بغداد"، "تاريخ دمشق"، "تاريخ جرجان" اور قابل ذکر ہیں۔

اگر کسی راوی کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکے اور نہ ہی تاریخ پیدائش پر مطلع ہوا جا سکے، تو اس صورت میں باحث کو طبقات رواۃ کی معاونت حاصل کرنا ہوگی، معرفتِ طبقہ کے ذریعہ سے کسی بھی سند

کے اندر ممکنہ سقطِ ظاہر کے بارے میں ادراک حاصل ہوتا ہے، کہ اس سند میں سقوطِ راوی ہوا ہے یا کسی قسم کا کوئی سقوط واقع نہیں ہوا، بلکہ طبقاتِ راوی کی معرفت کے نتیجے میں عموماً طبقہ کے اندر راوی کی تاریخ ولادت ووفات میں تصحیح ممکن ہوتی ہے۔ علمِ طبقات کے ضمن میں قابل مطالعہ کتاب أسعد تیم رحمہ اللہ کی "علم طبقات المحدثین" ہے، مذکورہ کتاب میں انتہائی گہرائی کے ساتھ علم الطبقات کو بیان کیا گیا ہے۔

طبقات کے بارے میں متعدّد کتب تالیف کی گئی ہیں جن میں سے مقدم ترین کتاب ابن سعد رحمہ اللہ کی "الطبقات" ہے، جو کہ "الطبقات الکبری لابن سعد" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے تین تتمات ترتیب دئے گئے ہیں، جن میں اول تتمہ "زیاد منصور" کی تحقیق، جب کہ دوسرا تتمہ "د. محمّد بن صامل السلمي" کی تحقیق، اور تیسرا تتمہ "د. عبد العزیز السلومي" کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ کتاب مکمل طور سے "علي بن محمّد عمر" کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اسی طرح کتب طبقات میں سے اہم ترین خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ کی "الطبقات" بھی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ کی "التاریخ الأوسط" بھی طبقات کی ترتیب سے مدون ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کی "الطبقات" بھی قابل ذکر ہے، اسی طرح امام ابن حبان رحمہ اللہ کی "الثقات" بھی طبقات کی ترتیب سے مدون ہے کیونکہ انہوں نے تمام صحابہ کو ایک طبقہ میں شمار کیا ہے، اسی طرح تابعین کو الگ طبقہ میں ذکر کیا ہے، اور تمام اتباع تابعین کو ایک طبقہ میں رکھا ہے، اور آخری طبقہ میں تبع أتباع تابعین ہیں۔ اسی طرح کتبِ طبقات میں امام ذہبی رحمہ اللہ کی متعدّد کتب مثلاً "تذکرة الحفاظ"، "سیر أعلام النبلاء" اور "تاریخ الإسلام" شامل ہیں۔

اگر کسی راوی کے طبقہ پر حتمی ویقینی طور سے مطلع نہ ہوا جا سکے تو اس راوی کے احوال کو بالتفصیل دیکھا جائے گا، جب کہ یہ ضروری بھی نہیں کہ راوی کے ترجمہ میں تاریخ ولادت ووفات اور طبقہ کا ذکر کیا گیا ہو، لہٰذا اس صورت میں مطلوبہ راوی کے شیوخ کو دیکھا جائے گا اور اس مطلوبہ راوی کو ان شیوخ

سے دیگر روایت کرنے والے راویوں پر قیاس کیا جائے گا، تو اگر شیخ پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتا ہو تو مذکورہ راوی یعنی اس شیخ سے روایت کرنے والا چھٹے یا ساتویں طبقہ میں ہوگا، اسی طرح جس راوی کا طبقہ معلوم نہ ہو سکے تو اس کے تلامذہ کو دیکھا جائے گا اگر اس کے تلامذہ چھٹے یا ساتویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں تو مطلوبہ راوی یقیناً انہی کے طبقہ سے یا ایک طبقہ اوپر سے تعلق رکھتا ہوگا۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اور اس کو بروئے عمل لا کر ہم کسی بھی سند میں سقط ظاہر سے اجتناب کر سکتے ہیں، تاہم سقط خفی کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ کوئی راوی کسی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس نے روایات نقل کی ہوں لیکن مطلوبہ روایت کا اس سے سماع ثابت نہ ہو، یا کسی ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا معاصر ہو لیکن اس سے سماع ثابت نہ ہو، اور ان دونوں کو محدثین کی اصطلاح میں بالترتیب تدلیس اور ارسال خفی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تو اگر باحث کے مد نظر یہ ہو کہ وہ سقطِ ظاہر پر مطلع ہونے کے ساتھ ساتھ سقط خفی پر بھی مطلع ہو، تو اس کے لئے اسے یہ دیکھنا ہوگا کہ راوی نے سماع کی صراحت کی ہے یا نہیں؟ اگر سماع کی صراحت کی ہو اور اس صراحت میں کسی قسم کی تاویل کا احتمال بھی نہ ہو تو اس صراحت کے بعد پھر سند کے اتصال میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جائے گا۔

سماع کی صراحت سے مراد یہ ہے کہ راوی روایت کرتے وقت "حدثنا"، "أخبرنا"، "أنبأنا"، "سمعت"، "ذكر لنا" یا "قال لنا" جیسے صیغے استعمال کرے، تاہم بعض راوی ایسے ہوتے ہیں کہ جو "حدثنا" کے صیغے عادتاً استعمال کرتے ہیں، جب کہ انہوں نے تحدیث نہیں کی ہوتی، جیسا کہ جریر بن حازم رحمہ اللہ کے بارے میں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جریر بن حازم رحمہ اللہ عموماً "حدثنا حدثنا" کے صیغے استعمال کرتے پائے جاتے ہیں، اگرچہ ان کے شیوخ نے یہ صیغے استعمال نہ کئے ہوں، تو یہاں سماع کی تصریح ان کا وَہم ہے نہ کہ حقیقت۔

محدثین نے بعض ان راویوں کو ضعیف قرار دیا ہے جو کہ ان راویان حدیث کے درمیان سماع کے

صیغے استعمال کرتے پائے گئے جن کی آپس میں ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ان میں "سالم الخیّاط" شامل ہیں، جن کے بارے میں أبو حاتم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا حسن بصری رحمہ اللہ کا أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ؟ انہوں نے جواباً فرمایا کہ ان کا سماع ثابت نہیں۔ جس پر لوگوں نے کہا کہ سالم الخیاط تو روایت کرتے وقت "عن الحسن سمعتُ أباهريرة" استعمال کرتا ہے، أبو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ان امور میں سے ہے جن سے "سالم" کا ضعف ثابت ہوتا ہے۔

یہاں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ سماع کے صیغوں سے راوی کے وہم میں مبتلا ہونے کے لئے کچھ قیود وضوابط ہیں، جو کہ شذوذ کے ضوابط وقیود سے بالکل مختلف ہیں، اگر سماع کے صیغے ثابت بھی ہو جائیں تو یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ راوی نے سماع کا صیغہ استعمال کرتے وقت تاویل کا سہارا لیا ہوگا، مثال کے طور پر راوی کہے کہ "حدثنا" اور اس سے مراد یہ ہو کہ "حدث أهل بلدنا"، یا کہے کہ "غزا بنا" اور اس سے مراد "غزا بأهل بلدنا أو غزا بالناس" ہو، جب کہ عموماً یہ فعل راویوں سے صادر ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "لما افتتحنا خيبر"، جب کہ یہ معلوم ہے کہ وہ فتح خیبر کے بعد اسلام لائے، اسی طرح وہ شخص جو آخری زمانہ میں دجال کے خروج کے وقت کہے گا کہ " أنت الدجال الذي حدثنا رسول الله ﷺ عنك"، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ قائل شخص کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کی مراد "حدثنا" سے یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسے اطلاع دی۔

الغرض یہاں راوی سماع کی صراحت میں تاویل کا سہارا لے رہے ہیں، تاہم ایسے راوی انتہائی قلیل ہوتے ہیں اور اسی طرح ان کی تاویل بھی بہت قلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جا سکتا کہ چونکہ راویان حدیث تاویل کرتے ہیں تو اس وجہ سے "حدثنا" سماع پر دلالت نہیں کرے گا، بلکہ درحقیقت "حدثنا" کا صیغہ سماع پر ہی دلالت کرتا ہے تاہم چند مواقع ایسے ہیں جہاں یہ صیغہ سماع پر دلالت نہیں کرتا پایا جاتا۔

توجب یہ احتمالات دور ہوگئے جس میں اس بات کی تصریح ثابت ہوگئی کہ سماع صراحتًا ثابت ہے اور اس میں کوئی تاویل بھی نہیں کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ روایت متّصل ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی انقطاع نہیں ہے۔

یہاں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ:

**"ہر راوی کی روایت قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا جب تک وہ سماع کی تصریح نہ کر دے"**

یہ قاعدہ کلیہ عمومی طور سے ہر راوی کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی راوی تدلیس کی صفت سے متّصف ہوا تو اس سے سماع کی تصریح طلب کی جائے گی، اسی طرح پھر ہر مدلس سے بھی سماع کی تصریح نہیں طلب کی جائے گی۔ بلکہ ہر ایک کے مختلف حالات ہیں۔

اسی طرح اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کبھی کبھار راوی مدلس نہیں ہوتا اس کے باوجود ہمیں اس کے سماع کے بارے میں سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ مطلوبہ راوی اپنے معاصر راوی سے روایت کرتا ہوگا لیکن اس سے ملاقات ثابت نہ ہوگی یا اس کے ساتھ بالکل معاصرت ہی ثابت نہ ہوگی، تاہم یہ عدم معاصرت واضح نہ ہوگی، کیونکہ راوی اور مروی عنہ کی تاریخ ولادت و وفات دونوں معلوم نہ ہوں گی، اسی طرح کبھی طبقہ اس لحاظ سے ہوگا کہ اس میں دو طبقات شامل ہونے کا احتمال ہوگا جیسا کہ صحابہ کے طبقہ کا تابعین کے طبقہ کے ساتھ شامل ہونے کا احتمال۔ اور ایسا احتمال تابعین کے طبقہ میں زیادہ ہوتا ہے اور تبع تابعین کے طبقہ میں قلیل مقدار میں ہوتا ہے، جب کہ بعد کے طبقات میں بہت نادر الوقوع ہوتا ہے۔

اس صورت میں باحث کے لئے ضروری ہے کہ وہ "کتب المراسیل" کی طرف رجوع کرے تا کہ معلوم ہو سکے کہ مذکورہ راوی کے بارے میں کسی قسم کے عدم سماع کا حکم تو نہیں لگایا گیا۔ ان کتب

میں سے اہم ترین کتاب ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی ”المراسیل“ ہے، اس کتاب کا تتمہ امام علائی رحمہ اللہ نے ”جامع التحصیل“ کے نام سے کیا، اس کے بعد أبوزرعہ عراقی رحمہ اللہ نے اس عمل کو مزید مکمل کر کے ”تحفۃ التحصیل برواۃ المراسیل“ کے نام سے کتاب لکھی۔

اسکے علاوہ کتب تراجم بھی اس سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں جیسا کہ ”تھذیب الکمال“ اور ”تھذیب التھذیب“، جن میں عموماً سماع، عدم سماع اور مراسیل کے بارے میں مباحث ذکر کی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ کتب العلل اور سؤالات پر مشتمل کتب بھی قابل ذکر ہیں، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ اور ابن أبي حاتم رحمہ اللہ دونوں کی الگ الگ ”العلل“ سے متعلق کتب، اور ”تاریخ یحیی بن معین بروایۃ الدوري“، ”تاریخ عثمان بن سعید الدارمي عن یحیی بن معین“ وغیرہ۔

اس تفصیل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر کسی راوی میں تدلیس کی صفت بھی نہ پائے جائے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی قسم کے عدم سماع کا حکم پایا جائے اور ایسے طبقہ سے تعلق رکھتا ہو جس میں سماع کا احتمال ممکن ہو تو اس کی روایت قبول کی جائے گی، اور اگر عنعنہ کیا ہو تو اس عنعنہ کو قبول کیا جائے گا۔

اگر راوی تدلیس کی صفت سے متّصف ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ مذکورہ راوی تدلیس کی کون سی قسم کے ساتھ متّصف ہے؟

اگر اس کی تدلیس ”تدلیس شیوخ“ یا ”تدلیس بلدان“ کے قبیل سے تعلق رکھتی ہو تو یہ اقسام اس کے عنعنہ پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں رکھتیں، کیونکہ تدلیسِ شیوخ کا اداءِ حدیث کے صیغوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ تدلیس شیوخ درحقیقت کسی راوی کو اس کے نام، کنیت یا لقب کے ساتھ عمومی انداز میں ذکر کرنے کو کہتے ہیں، یعنی راوی کو ایسے نام سے ذکر کرنا جس کے ساتھ وہ معروف نہ ہو، اس صورت میں باحث کے لئے ضروری ہے کہ راوی کی تعیین کر دے، جب راوی متعیّن ہو

جائے اور اس کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس پر اس کی حالت کے مطابق حکم لگایا جائے گا، اور اگر اس کی معرفت نہ ہو سکے تو پھر حدیث پر حکم لگانے میں توقف اختیار کیا جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ راوی مجہول کے درجے میں ہو گا جس کی روایت پر کسی قسم کی صحت یا ضعف کا حکم لگانا ممکن نہیں ہوتا۔

اور اگر تدلیس ایسی ہو کہ راوی نے ایسے شیخ سے روایت کی ہو جس سے اس نے روایات سنی ہوں لیکن مطلوبہ راویت اس سے نہ سنی ہو تو اس صورت میں مذکورہ راوی کے بارے میں باحث کو مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دینا ضروری ہوگی:

أ. دیکھا جائے گا کہ مذکورہ راوی مدلسین کے درجات میں سے کس درجہ میں ذکر کیا گیا ہے؟ کیا مدلسین کے اس درجے سے تعلق رکھتا ہے کہ جن کے عنعنہ کو قبول کیا جاتا ہے یا اس درجہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا عنعنہ مردود ہے۔

اس سلسلے میں وہ کتب معاون ثابت ہوتی ہیں جو کہ مدلسین کے مراتب کے بارے میں مرتب کی گئی ہیں، جن میں اہم ترین حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس" ہے جس میں انہوں نے مدلسین کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے، ان کے مطابق پہلے اور دوسرے طبقہ کے راویوں کا عنعنہ قبول کیا جاتا ہے، تیسرے طبقہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی راجح رائے یہ ہے کہ ان کا عنعنہ مردود ہے، جب کہ چوتھے طبقہ کے راوی کے بارے میں حتماً ان کا قول ہے کہ ان کا عنعنہ مردود ہے، اور پانچویں طبقہ کے راویوں کی روایات کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ ان کی روایات ضعیف ہوں گی چاہے وہ سماع کی تصریح کریں یا تصریح نہ کریں۔

اسی طرح وہ کتب جو کہ اس سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں ان میں امام علائی رحمہ اللہ کی "جامع التحصيل" ہے، جس کے مقدمہ میں انہوں نے مدلسین کو طبقات کے مطابق ذکر کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ جن کا عنعنہ قابل قبول ہے اور جن کا عنعنہ قابل قبول نہیں ہے۔ یہی طریقہ کار حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النكت على ابن الصلاح" میں بھی اختیار کیا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "النكت على ابن الصلاح" ان کی "تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس" سے مؤخر لکھی گئی ہے، تو "النكت على ابن الصلاح" کے احکام کافی اہم ہیں کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے احکامات میں کبھی تغیر پایا جاتا ہے جس کے مطابق کبھی وہ راوی "تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس" میں کسی ایک طبقہ میں ذکر کرتے ہیں اور پھر "النكت" میں اسی راوی کو کسی دوسرے طبقہ میں ذکر کرتے ہیں، اگر ان کی آراء میں اختلاف پایا گیا تو دیگر قرائن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ب. کبھی کبھار راویان حدیث کے مراتب تدلیس اور ان کے عنعنہ کے قبول و رد کے بارے میں علماء و محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہے، بلکہ کبھی تو کسی ایک امام محدث کے اپنے اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس صورت میں متاخر قول کو اختیار کرنا کسی طور سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ کبھی قول اول ہی صحیح ہوتا ہے۔

ت. اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی کے بارے میں تدلیس کا حکم اور اسی راوی کے بارے میں علماء کی تطبیقات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مثلاً علماء کا امام زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کے قبول پر اتفاق ہے ان علماء میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کو مدلسین کے مراتب میں سے تیسرے مرتبہ پر ذکر کرتے ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا راجح قول یہ ہے کہ ان کا عنعنہ قابل رد ہے، تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کے بارے میں اجتہاد کرتے ہوئے غلطی کی ہے۔

اسی طرح مدلسین کی روایت کے قبول کرنے کے بارے میں علماء و محدثین کے اپنے اپنے مناہج و اقوال ہیں، اس وجہ سے باحث و محقق کے لئے ضروری ہے کہ ان اقوال کی رعایت بھی رکھے، کیونکہ ان

اقوال کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، لہٰذا ان تمام مناہج کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کئی مرتبہ ایسے راوی کا عنعنہ بھی علماء قبول کرتے ہیں جو بکثرت تدلیس کرتے پائے جاتے ہیں تاہم ان کے قبول کے لئے انہوں نے کچھ مناہج اور قواعد ذکر کئے ہوتے ہیں لہٰذا ان قواعد کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔
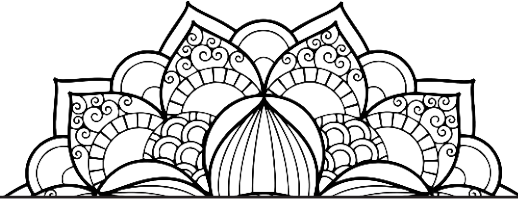
# حصہ دوم: دراسہ اسانید

تیسرا مرحلہ: راویان سند کے اَحوال وتراجم

## قسم ثالث:
## جرح وتعدیل کے لحاظ سے راوی کے مرتبہ کی معرفت

اَ. کن راویوں کی روایات قبول ہوتی ہیں اور کن راویوں کی روایات رد کی جائیں گی

ب. جرح وتعدیل کے مراتب

ت. باطنی عدالت، ظاہری عدالت

ث. جرح وتعدیل کے متعلق دیگر مباحث

ج. جرح وتعدیل کے متعلق بعض ائمہ کی مخصوص اصطلاحات کی معرفت۔

ح. علماء جرح وتعدیل کے مراتب۔اَ۔متشدد ب۔متساہل ج۔معتدل

خ. کلام اَقران

د. جرح وتعدیل صرف ان لوگوں کی قبول کی جائے گی جو کہ جرح وتعدیل کے امور سے باخبر ہوں

ذ. جرح وتعدیل کا تعارض

ر. جرح وتعدیل کے اہم مسائل میں " المجھول "اور اس کی اقسام

( " المستور"،مجهول الحال "مجهول العين "،مستور الحال "مجهول الحال والعين)
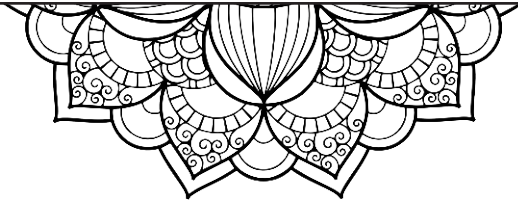
دراسہ اسانید کے ضمن میں تیسرے مرحلہ پر ہم **راوی کے احوال وتراجم** کو زیر بحث لاتے ہوئے اس سلسلے میں کچھ احوال کو درجہ بدرجہ ذکر کر رہے تھے جن میں سے پہلا قدم "راوی کی تعیین" اور دوسرا قدم/حال "راوی کی تاریخ پیدائش ووفات پر مطلع ہونا" تھا، جن کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی، اب اس مرحلہ پر تیسرا قدم "**جرح وتعدیل کے لحاظ سے راوی کے مرتبہ کی معرفت**" ہے، یعنی:

راوی کا جرح وتعدیل کے لحاظ سے مرتبہ ودرجہ معلوم کرنے کے لئے کتب جرح وتعدیل کی طرف رجوع کرنے سے پہلے باحث کے لئے ضروری ہے کہ وہ مصطلح الحدیث کی مباحث میں سے دو مباحث پر مکمل طور پر عبور حاصل کرلے۔

**مبحث اول :** کن راویوں کی روایات قبول ہوتی ہیں اور کن راویوں کی روایات رد کی جائیں گی

**مبحث ثانی:** جرح وتعدیل کے مراتب

ان دونوں مباحث پر عمیق انداز میں مطلع ہونا ضروری ہے، کیونکہ علماء ومحدثین جرح وتعدیل میں اختلاف کرتے پائے جاتے ہیں لہٰذا اگر ان مباحث پر عبور ہو تو ایسے اختلافات کے ساتھ نمٹنا آسان ہو جاتا ہے اور اختلاف کی صورت میں ترجیحات کا بھی علم ہو سکتا ہے۔

## مبحث اول: کن راویوں کی روایات قبول ہوتی ہیں اور کن راویوں کی روایات رد کی جائیں گی

کسی بھی راوی کی روایت قبول نہیں کی جاتی جب تک وہ عادل وضابط نہ ہو۔

ضبط (حفظ) کے معاملہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ ضبط یا تو کامل ہوگا اور یا ضبط میں کسی قسم کا نقصان پایا جائے گا۔

جب کہ عدل سے مراد ہے کہ راوی مسلمان، عاقل، بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ فسق کے اسباب سے مامون رہے اور خلاف مروت امور سے اجتناب کرتا ہو، (مفسقات سے مراد کبائر کا ارتکاب اور صغائر پر اصرار ہے، "المروءۃ" سے مراد احکام شرع، عقل سلیم اور مسلمانوں کے عرف کی موافقت ہے)۔

## عدالتِ راوی :

یہی عدالت باطنی ہے جس پر اس وقت ہی مطلع ہوا جا سکتا ہے جب کسی راوی کے ساتھ طویل مصاحبت اور کثرت ملازمت رہی ہو، یاد رہے کہ عدالت باطنی سے مراد دل کے احوال نہیں ہیں کیونکہ اس پر مطلع ہونا کسی بشر کی قدرت میں نہیں ہے، جب کہ عدالتِ ظاہری کی معرفت ظاہری امور سے ہی ممکن ہے، تاہم باطنی وظاہری عدالت میں فرق اس طریقہ سے ممکن ہے کہ:

- باطنی عدالت سے مراد یہ ہے کہ راوی کے عدمِ فسق کے بارے میں علم ہو۔
- ظاہری عدالت سے مراد یہ ہے کہ راوی کے فسق کے بارے میں کسی قسم کا علم نہ ہو۔

اول سے مراد یہ ہے کہ ہمیں مکمل تیقن اور ثبوت کے ساتھ ان امور کے نہ ہونے کا علم ہو جو کہ کسی راوی میں فسق کا موجب بنتے ہیں۔

اور ثانی سے مراد یہ ہے کہ ہمیں راوی کے بارے میں کسی ایسے امر کا علم نہ ہو جو اس میں فسق کا سبب بنتا ہو۔

اسی طرح بلوغ کی شرط علماء کے مطابق اداءِ حدیث کے لئے ضروری ہے جب کہ تحملِ حدیث کے لئے بلوغ کی شرط نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی بھی راوی صغر السن (بچپن) میں بھی تحملِ حدیث کر سکتا ہے تاہم اس کی روایت اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ بالغ ہو، اسی طرح اسلام کی شرط بھی اَداء حدیث کے لئے ضروری ہے، لہٰذا کافر کے لئے ممکن ہے کہ وہ حالت کفر میں احادیث کا حصول کرے تاہم اس کی وہ روایات اس وقت قبول کی جائیں گی جب وہ کافر اسلام قبول کر لے، جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت کفر میں روایات حاصل کیں اور پھر ان روایات کو اسلام قبول کرنے کے بعد روایت کیا۔

تو ہر وہ راوی جو کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے جو شرع کے مخالف ہو تو وہ خوارم مروت امور کا مرتکب شمار ہو گا، یا کسی ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو عقل سلیم کے لئے قابل قبول نہ ہو جیسے مجنون ہونا تو ایسا

راوی مروت والا نہ ہوگا، اسی طرح چھوٹا بچہ بھی مروت کے امر سے خالی متصور ہوگا، تاہم عدم مروت کی بناء پر انہیں فساق میں شامل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ دونوں (مجنون اور بچہ) مکلف نہیں ہیں اسی طرح یہ راوی ایسے فعل کا مرتکب بھی نہ ہو جو کہ مسلمانوں اور صلحاء کے عرف کے مخالف ہو۔

ظاہری و باطنی عدالت کے بیان کے بعد اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ کیا راوی کے قابل قبول ہونے کے لئے صرف عدالت باطنی شرط ہے یا کبھی ظاہری عدالت بھی قبول ہوتی ہے؟

اس سلسلے میں صائب رائے یہ ہے کہ جو راوی ظاہری عدالت سے متّصف ہو تو اسے بعض حالات میں قبول کیا جاتا ہے، جیسے:

أ. اگر کسی راوی کی باطنی عدالت کے بارے میں احوال پر معرفت متعذر ہو، تو ایسی صورت میں اس کی ظاہری عدالت بھی کافی ہوگی اور اسی پر عام اہل علم کا عمل رہا ہے۔

ب. اسی طرح کتب حدیثیہ کے روایت کرنے والے متاخرین اہل علم کی روایت قبول کرنے کے لئے ظاہری عدالت کافی ہے۔

کیونکہ یہ صرف ان کتب حدیثیہ کے روایت کرنے والے ہیں جنہیں تمام امت روایت کرتی ہے، جیسا کہ کوئی راوی صحیح بخاری روایت کرے اور اسے اپنے شیخ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت حاصل ہو، تو کتابِ بخاری کو تمام امت نقل کرتی ہے، اس قسم کی روایت میں کوئی خاص خصوصیت نہیں پائی جاتی سوائے اس کے کہ اس میں سند کا اتصال ہوتا ہے، لہٰذا ہر اس شخص سے اسے قبول کیا جاتا ہے جس کا ظاہری طور سے اسلام واضح ہو، اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا نہ ٹھہرایا گیا ہو، اور اس سے اس قسم کی روایت قبول کی جائے گی اگرچہ باطنی طور سے اس کی عدالت میں نقص پایا جائے۔

الغرض متاخرین محدثین کے بارے میں اس معاملہ میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اور تأخر کے لئے تیسری صدی ہجری کو حد فاصل قرار دیا گیا ہے، تو جو راوی تیسری صدی ہجری کے بعد آئے ہیں ان

کے بارے میں ظاہری عدالت ہی کافی رکھی گئی ہے، سوائے ان راویوں کے کہ جن میں کوئی شدید قسم کی جرح پائی گئی ہو۔

## عدالتِ باطنی کی معرفت کے طرق :

باطنی عدالت کی معرفت مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:

أ. "الشهرة والاستفاضة".

جس راوی کی عدالت مشہور ہو تو اس کے بعد اس کی عدالت کے بارے میں کسی قسم کی بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں رہتی، جیسا کہ مشہور محدثین وائمہ حضرات مثال کے طور پر امام أحمد رحمہ اللہ، یحیٰ بن معین رحمہ اللہ، بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ وغیرہم۔ یہ ایسے راوی ہیں کہ جن کے بارے میں مزید کسی قسم کے سوال کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ ان محدثین سے دیگر راویوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور ان کے اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ب. "التنصيص".

یعنی کسی امام محدث نے کسی راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کا کوئی قول فرمایا ہو، اور نص موجود ہو کہ فلاں راوی ثقہ ہے یا ضعیف ہے۔

ت. "التصحيح والتحسين".

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر باحث کسی راوی کے بارے میں مطلع ہو کہ اس کی روایات امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں نقل کی ہیں، اور اس راوی کے بارے میں کسی قسم کی تعدیل نہ پائی جائے سوائے اس کے کہ مذکورہ راوی کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں نقل کی ہے تو اس راوی کا حکم یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے، کیونکہ صحیح حدیث کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے راوی عادل وضابط ہوں، تاہم اس بات کا احتمال موجود ہے کہ مطلوبہ راوی جس کی روایات امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں نقل کی ہیں وہ شواہد و متابعات سے تعلق رکھتی ہوں، لیکن اگرچہ وہ شواہد و متابعات کے قبیل سے روایات کیوں نہ ہوں، صحیح

قول یہی ہے کہ ان روایات کا مرتبہ بھی ان مصنفین کے مطابق قبول کے درجہ سے کم نہیں ہوتا، پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جن راویوں کی روایات متابعات وشواہد کے باب میں ذکر کی ہیں وہ قلیل ترین ہیں۔

اسی طرح جن راویوں کی روایات امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں وہ بھی ثقہ ہیں، اس مسئلہ کو امام ذہبی رحمہ اللہ نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "الموقظة" میں نقل کیا ہے، اور علماء ومحدثین کو تشدد وتساہل کے لحاظ سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے، اسی ضمن میں فرماتے ہیں کہ جن راویوں کی نہ تجریح کی گئی ہو اور نہ ہی توثیق کی گئی ہو اور ان کی روایات امام بخاری رحمہ اللہ ومسلم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہوں تو ان کی توثیق میں کسی قسم کا شک نہیں کرنا چاہئے۔

جن کی روایات کو امام ترمذی رحمہ اللہ اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہو ان کی روایات جید ہیں۔

جن کی روایات دارقطنی رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دی ہوں ان کی روایات کا کم ترین درجہ "حسن" ہوتا ہے۔

یہ تمام تفصیل اس راوی کے بارے میں ہے کہ جس کی نہ تجریح کی گئی ہو اور نہ ہی توثیق کی گئی ہو۔ تاہم یہاں اس قاعدہ میں اطلاق نہیں ہے کہ مطلقاً وہ راوی جس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل نہ ہو اور اس کی روایت صحیحین میں منقول ہو تو وہی اس کی توثیق ہے بلکہ اس قاعدہ میں تفصیل ہے اور کچھ اصول وضوابط بھی ذکر کئے گئے ہیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

اگر کوئی محدث کسی حدیث کی سند کے بارے میں کہے کہ "هذا إسناد صحيح"، اس سے محدث کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مذکورہ سند میں صحت کی تمام شرائط موجود ہیں، اور مذکورہ حدیث کو وہ متابعات و شواہد کی بناء پر صحت کے درجے میں نہیں ڈال رہا، بلکہ صحت کی شروط کی وجہ سے اس سند کو وہ صحیح قرار دے رہا ہے، کیونکہ یہاں صحت کا وصف اس سند کے لئے ہے نہ کہ اس حدیث کے تمام طرق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حدیث کے لئے صحت کا حکم کیا جا رہا ہے، تو اگر سند کو صحیح قرار دے دیا جائے جیسا کہ عموماً

امام حاکم رحمہ اللہ کرتے پائے جاتے ہیں، تو اس بناء پر ہم مذکورہ سند کے راویوں کی توثیق کر سکتے ہیں کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کی ہے، اگرچہ امام حاکم رحمہ اللہ کے علاوہ محدثین نے ان کی تضعیف کی ہو۔

اسی طرح اگر کوئی امام محدث کہے کہ "حديث صحيح لا نعرفه إلا من حديث فلان"، تو یہ "هذا إسناد صحيح" کے قول سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سند میں غرابت کے باوجود اس کا قبول ہونا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس میں قبول کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور کسی بھی حدیث میں قوت کی صفات کا موجود ہونا اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے اگرچہ سند میں تفرد پایا جائے، لہٰذا کسی بھی حدیث پر صحت کا حکم اس کے تفرد کے باوجود اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

ث. جن علماء و محدثین کے بارے میں مشہور ہو کہ وہ ثقہ راویوں کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے، تو اگر وہ کسی راوی سے روایت کریں تو وہ اس کی توثیق ہو گی۔

جیسا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے، اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ، یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ، بخاری رحمہ اللہ، یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے۔

یہاں اس پر اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی امام کی مذکورہ راوی سے روایت اس سے توثیق ہو سکتی ہے لیکن دیگر کے نزدیک وہ راوی ضعیف بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ مذکورہ ائمہ و محدثین کی کسی راوی سے روایت اس راوی کے بارے میں صراحتاً حکم پر دلالت کرتا ہے، تو جیسے اگر کوئی امام کسی راوی کے بارے میں توثیق یا تضعیف کا قول کرے اور راوی موصوف کے بارے میں راجح اور صائب قول اس کے خلاف ہو، تو اس کا بالکل مطلب یہ نہیں کہ ہم اُس امام کے قول کو چھوڑ دیں، اور اسے جرح و تعدیل میں معتبر نہ سمجھیں۔ بلکہ اس کے قول کا اپنا مرتبہ و درجہ ہو گا۔

لہٰذا اگر کسی راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کے کسی قسم کے اقوال موجود نہ ہوں تو اس صورت میں ان ائمہ محدثین کا اُس راوی سے روایت کرنا اس کی توثیق کے مترادف ہو گا۔

## عدالتِ ظاہری کی معرفت کے طرق :

ظاہری عدالت کی معرفت مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:

أ. دو ثقہ راویوں کے مذکورہ راوی سے روایت کے ذریعے سے اس راوی کی ظاہری عدالت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔یعنی اگر دو ثقہ راوی اس مطلوبہ راوی سے روایت کرتے پائے جائیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلوبہ راوی ظاہری عدالت کی صفت سے متّصف ہے۔

ب. کسی ایک ثقہ راوی کی مطلوبہ راوی سے روایت ثابت ہو جائے تو بھی اس کی عدالت ظاہری ثابت ہو جاتی ہے۔

تاہم اس ثقہ راوی میں یہ شرط ضروری ہے کہ وہ علماء جرح و تعدیل میں سے ہو اور نقاد محدثین میں سے ہو۔ لہٰذا اگر ایسے کسی محدث، ناقد نے کسی راوی سے روایت کی جس راوی کی جرح و تعدیل کے بارے میں کسی قسم کا کوئی کلام نہ پایا جائے تو اس جرح و تعدیل کے عالم کا اس سے روایت کرنا اس کی عدالت ظاہری کے مترادف ہوگا۔

## ضبطِ راوی :

عدالتِ ظاہری و باطنی کی بحث کے بعد اب ضبط کے ثبوت کی طرف آتے ہیں، اس سلسلے میں یاد رہے کہ علماء جرح و تعدیل کسی بھی راوی کے ضبط کو مندرجہ ذیل امور کے ذریعے جانچتے ہیں:

أ. کسی بھی راوی کے ضبط کو جانچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مطلوبہ راوی کی روایات کو دیگر ثقات راویوں کی روایات کے ساتھ مقارنہ کر کے پرکھا جائے۔

اگر دیگر راوی اس کے ساتھ موافقت کرتے پائے جائیں اور کسی بھی روایت میں کمی بیشی کے ضمن میں کسی قسم کی مخالفت نہ پائی جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مطلوبہ راوی کا ضبط و حفظ قابل قبول ہے، اور اگر اس کی روایات کی غالب اکثریت میں دیگر راویوں کی روایات کے مقابلے میں مخالفت پائی جائے، تو یہ اس کے ضبط و حفظ میں نقصان کی دلیل ہوگی، اسی ترتیب سے جتنی مخالفت پائی جائے گی اتنا

ہی اس کے ضبط کے بارے میں حکم صادر کیا جائے گا۔

ب. اسی طرح مطلوبہ راوی کی روایات میں تفرد کو دیکھتے ہوئے اس کے ضبط کا معیار مقرر کیا جائے گا۔

اگر اس کی روایت میں تفرد بکثرت نہ پایا جائے، تو اس کا ضبط قابل قبول ہو گا، تاہم اگر اس کی روایات کی غالب اکثریت میں تفرد پایا جائے جس کے مطابق کوئی دوسرا راوی ان روایات میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو تو یہ بھی دلیل ہے کہ اس راوی کے ضبط میں نقص پایا جاتا ہے، بلکہ کبھی کبھار کثرتِ تفرد کی بناء پر مطلوبہ راوی کو متہم بالکذب بھی کیا جاتا ہے۔

ت. اسی طرح وہ راوی مناکیر روایات کے نقل کرنے میں تفرد نہ رکھتا ہو۔

کیونکہ کبھی راوی عموماً روایات میں تفرد کرنے میں کثرت نہیں کرتا لیکن مناکیر روایات کے نقل کرنے میں تفرد کرتا پایا جاتا ہے، اگرچہ مناکیر میں اس کا یہ تفرد بکثرت نہ ہو بلکہ چند روایات میں ہی تفرد کیا ہو۔

اسی طرح کسی بھی روایت میں کبھی نکارت بالکل ظاہر ہوتی ہے اور باحث ومحقق کو بخوبی واضح ہوتی ہے، جیسا کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کا یہ قول کہ: "هذا حديث لا يخفى على من ليس الحديث صناعته أنه ليس بصحيح"، یعنی حدیث کی صنعت اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح امام شعبہ رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ کیسے کسی حدیث کا جھوٹ پکڑ لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب حدیث میں اس قسم کے الفاظ پائے جائیں کہ "لا تأكل القَرْعة حتى تذبحها، فهو كذب"، یعنی کدو اس وقت کھاؤ جب اسے ذبح کر لو تو یہ جھوٹ ہے، کیونکہ کدو کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

تاہم کبھی کبھی نکارت ایسی ہوتی ہے کہ اسے صرف وہی معلوم کر سکتے ہیں جنہیں احادیث کے ساتھ گہری ممارست ہو اور اس میدان میں کافی تجربہ رکھتے ہوں، انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ علم تفویض کیا جاتا ہے اور الہام کے ذریعے انہیں احادیث کی معرفت ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ جان سکتے ہیں کہ کون سی حدیث کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ منسوب کرنا صحیح ہے اور کس روایت کا منسوب کرنا

درست نہ ہوگا۔

ث. راوی کے طبقہ کالحاظ کرنااور اس کے تفرد کی مقدار معلوم کرنا۔

راوی کا طبقہ جتنا متاخر ہوگا اتنا ہی اس کا تفرد ناقابل قبول ہوگا، لہٰذا تابعین کے طبقہ کا تفرد قابل قبول ہوگا، اسی طرح تبع تابعین کا تفرد بھی قبول کیا جائے گا، لیکن تابعین کے تفرد سے کچھ کم درجہ میں قبول ہوگا، اسی طرح بعد کے ادوار کا تفرد بالکل بھی قابل قبول نہیں ہوگا بلکہ اس کا تو تصور ہی محال ہے کہ کوئی حدیث صحیح شروع کے ادوار میں کوئی نقل ہی نہ کرے اور بعد کے ادوار میں اس میں کوئی راوی تفرد کرتا پایا جائے، یہ اس حدیث کے ضعف پر دلالت ہے۔

راوی کے ضبط میں نقصان کو علماء نے دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

أ. ایسا نقصان جو کہ اس راوی کے ضبط کے ساتھ لازم ہو۔

ب. ایسا نقصان جو کہ راوی کے ضبط کو کسی سبب کی بناء پر لاحق ہوا ہو۔

**اول:** ایسا نقصان جو اس راوی کے ضبط کے ساتھ لازم ہو۔

اس سے مراد اس راوی کا ابتداء سے یا بچپن سے ہی حافظہ وضبط کا کمزور وخراب ہونا ہے، اسی مناسبت سے اس کے ضبط میں نقصان کی بدولت اور غلطیوں کی نسبت کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے راوی کے مراتب ذکر کئے جاتے ہیں، اور اسی ترتیب سے راویوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔

عموماً جس راوی میں خللِ ضبط کے علاوہ کسی قسم کی کوئی جرح نہ پائی جائے اور کبھی کبھار فحش اغلاط سے متّصف ہو تو اس کی روایت کو اعتبار کے درجہ میں قبول کیا جاتا ہے اور متابعات وشواہد میں اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، علماء ومحدثین ایسے راوی کو متروک کے درجے میں رکھتے ہیں جن کے بارے میں یہ معروف ہو کہ ان کی اغلاط زیادہ ہیں، تاہم کچھ علماء ایسے راوی کو فاحش الغلط کہنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی صراحت بھی فرماتے ہیں کہ یہ راوی جھوٹ نہیں بولتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا متروک کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس راوی کی

احادیث قابل احتجاج نہیں ہیں اور انہیں متروک قرار دیا گیا ہے، جب کہ اسے جھوٹ سے بھی بری قرار دیا گیا ہے۔ اور ضبط میں نقصان کی بناء پر اس راوی کا ضعف بیان کیا گیا ہے۔ ایسے راوی کی روایات کو متابعات و شواہد میں اس وجہ سے قبول کیا گیا کہ یہ اور اس جیسا دوسرا راوی اگر کسی ایک حدیث کی روایت میں توافق کرتے پائے جائیں تو دو راوی جو ایک ہی صفت سے متّصف ہوں اور روایت میں بھی اتفاق کرتے پائے جائیں، یا دو راوی کسی غلطی پر اتفاق کرتے پائے جائیں، ایسا بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے لہٰذا ان کی روایت کو قابل اعتبار مانا جائے گا۔

لیکن جن راویوں کے ضبط میں نقصان پایا جائے تو انہیں بھی درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے جس راوی کی اغلاط زیادہ ہوں تو اس کے لئے قوی اور مکمل متابعت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کی روایت کو تقویت دی جاسکے اور جس راوی کی اغلاط قلیل ہوں تو اس کی تقویت کسی بھی قسم کی متابعت سے ممکن ہے۔

**ثانی:** ضبط راوی میں وہ نقصان جو اس پر طاری ہوا ہو وہ عموماً مختلط راویوں میں پایا جاتا ہے۔

اس ضمن میں کئی کتب تصنیف کی گئی ہیں جن میں اختلاط سے متّصف راویوں کو ذکر کیا گیا ہے، مثال کے طور پر ابن کیال رحمہ اللہ کی "الكواكب النيّرات فيما اختلط من الرواة الثقات"، امام علائی رحمہ اللہ کی "المختلطين" اور سبط ابن العجمی رحمہ اللہ کی "الاغتباط فيمن رُمي من الرواة بالاختلاط" قابل ذکر ہیں۔

مختلط راوی کے بارے میں علماء و محدثین فرماتے ہیں کہ اگر اس کی احادیث کے مابین فرق و امتیاز نہ کیا جاسکے تو اس کی احادیث مردود ہوں گی، فرق سے مراد یہ ہے کہ اس راوی سے کون سی روایات اختلاط طاری ہونے سے پہلے سنی گئی ہیں اور کون سی روایات اختلاط کے بعد کے دور میں اس مختلط راوی سے روایت کی گئی ہیں۔

تاہم اگر اس کی روایات میں فرق و امتیاز کیا جاسکے، تو جو روایات اختلاط سے پہلے سنی گئی ہوں گی وہ قبول ہوں گی اور جو روایات اختلاط کے بعد سنی گئی ہوں گی وہ مردود قرار دی جائیں گی۔ لیکن اگر مختلط

راوی کی کسی دوسرے ایسے راوی کے ساتھ موافقت پائی گئی جس نے اس سے اختلاط سے پہلے بھی روایات سنی تھیں، یعنی اختلاط سے پہلے اور بعد کی روایات میں موافقت پائی گئی تو اس کا مطلب ہے کہ مختلط تمام روایات میں غلطی نہیں کرتا پایا گیا بلکہ بعض احادیث میں وہ صائب بھی رہا ہے۔ اختلاط کے لئے جرح وتعدیل کے علماء عموماً "التغیّر" اور "الاختلاط" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بعض علماء نے "التغیّر" اور "الاختلاط" میں فرق کیا ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر راوی عمر کے بڑھنے کے ساتھ حافظہ میں کمزوری کا شکار ہوتا ہے اور یہی فطرتِ انسانی ہے، تاہم بعض راوی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ضبط میں نقصان انتہاء درجے کا اور کثرت سے ہوتا ہے جس کی بناء پر وہ مختلط قرار پاتے ہیں، تاہم بعض راوی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے حافظہ میں خلل واقع ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی اپنے حافظہ کو مضبوط رکھے ہوتے ہیں، گویا کہ وہ "تام الضبط" کے مرتبہ سے "خفیف الضبط" کے مرتبہ پر اترتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی روایات صحت کے درجہ سے حسن کے درجہ میں آجاتی ہیں۔

اسی طرح بعض راویوں کے ضبط میں خلل انتہائی قلیل نوعیت کا ہوتا ہے، جس کی بناء پر وہ "تمام الضبط" کے مرتبہ سے نہیں اترتے، ان امور کی طرف عموماً علماء جرح وتعدیل اقوال ذکر کرتے وقت اشارہ کرتے پائے جاتے ہیں، جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے أبو اسحاق السبیعی کے احوال ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "تغیّر تغیُرَ السن، ولم یختلط"، اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کا اختلاط قلیل نوعیت کا تھا اور اس میں کوئی بڑی خرابی نہیں تھی۔

## اہل بدعت سے روایت:

اس مسئلہ میں بھی اہل علم کا کافی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علماء مطلقاً ان سے روایت کو منع فرماتے ہیں اور بعض علماء مطلقاً ان سے روایات کو قبول فرماتے ہیں، جب کہ بعض دیگر علماء اس میں تفصیل کرتے پائے جاتے ہیں، تاہم پھر اس تفصیل میں بھی علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ (اس کی تفصیل

ہم نے کتاب ”علم الجرح والتعدیل“ میں ذکر کی ہے)

اس سلسلے میں راجح یہ ہے کہ مبتدع کی روایت کچھ شروط کی بناء پر قبول کی جائے گی:

- **شرط اول:** کہ اس مبتدع کی اپنی بدعت کی بناء پر تکفیر نہ کی گئی ہو، جسے اہل السنت والجماعت نے کافر قرار دیا ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اسے مسلمانوں کی فہرست میں شمار کیا جائے، کجاکہ اسے مقبول راویوں کی فہرست میں ڈالا جائے۔
- **شرط ثانی:** اس مبتدع میں سوائے اس کی بدعت کے کوئی دوسرا سبب نہ پایا جاتا ہو جس کی بناء پر اس کی روایت رد کی جائے۔

یعنی وہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں معروف ہو، شعائر اسلام و دین کے امور کی تعظیم کرنے والا ہو، الغرض اس میں بدعت کے علاوہ کسی قسم کا عیب نہ پایا جائے۔

- **شرط ثالث:** خواہشات کی پیروی کرنے والا اور بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو۔

اس صفت کو علماء اس لفظ سے بیان کرتے ہیں: ”أن لا یکون داعیة“، اسے ہی امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح کے مقدمہ میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”أن لا یکون معانداً“، معاند سے مراد وہ بدعت کی طرف دعوت دینے والا لیتے ہیں۔

تاہم ابن حبان رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ نے جو (داعی بدعت) کی روایت کے قبول نہ کرنے پر اجماع نقل کیا ہے، اس سے غالباً مراد یہ ہے کہ وہ خواہشات کی پیروی کرنے والا ہو، اور حق کو جاننے کے باوجود باطل پر تکبر و عناد کی بدولت اصرار کرتا ہو تو اس کے بارے میں اجماع ہو سکتا ہے ورنہ ان کے بارے میں اختلاف ہی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

- **شرط رابع:** کوئی ایسی منکر روایت نہ ذکر کرے جو کہ اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو۔

یہاں منکر کی شرط ضروری ہے کیونکہ کبھی مبتدع ایسی روایت بھی نقل کرتا پایا جاتا ہے جو منکر نہیں

ہوتی لیکن اس کی بدعت کی تائید کر رہی ہوتی ہے تو اس صورت میں اگر دیگر شروط اس روایت میں پائی جائیں تو یہ روایت بھی قبول کی جائے گی، جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے عدی بن ثابت کی حدیث نقل کی ہے جو کہ روافض میں سے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "لا يحبك إلا مؤمن، ولا يبغضك إلا منافق"، یہ روایت صحیح مسلم میں مبتدع راوی سے مروی ہے جو کہ اپنی بدعت کی طرف داعی بھی تھا، اور اس میں اپنی بدعت کی طرف دعوت بھی ہے، تاہم اس میں چونکہ نکارت نہیں ہے، لہٰذا امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی صحیح مسلم میں نقل کیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم مبتدع کی روایت رد کر دیں اس بناء پر کہ وہ منکر ہے اور مبتدع کی بدعت کی تائید کر رہی ہے؟ اور اس کے علاوہ باقی روایات قبول کر لیں؟ کیونکہ اس منکر روایت کے ذکر کرنے کی وجہ سے وہ مبتدع متہم بالکذب ہو جائے گا جس کی بناء پر اس کی تمام روایات کو مطلقاً قبول نہ کیا جائے۔ اور یا پھر اس کی تمام روایات کو قبول کر دیا جائے یہاں تک کہ اس کی مذکورہ منکر روایت بھی قبول کی جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کی مثال قاضی کے اس فیصلہ کی طرح ہے جس میں قاضی اس شخص کی گواہی ایسے ملزم کے حق میں قبول نہیں کرتا جس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے یا ملزم کی کوئی قرابت داری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے، کیونکہ اس میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ حق کے سوا گواہی دے گا۔ اگرچہ گواہ بذات خود عادل ہو، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں مبتدع کی روایت قبول نہیں کی جاتی جب اس کی روایت اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو جب کہ روایت منکر بھی ہو۔

یہاں باحث کے لئے اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ علماء و محدثین کے مبتدعین کے بارے میں جو مذاہب وارد ہیں اور جو اقوال منقول ہیں وہ ان مبتدعین کی زندگی سے متعلق ہیں، اور عامتہ الناس کو وہ اس راوی سے روایت کرنے سے ڈراتے ہیں جب تک وہ راوی بقید حیات ہوں، تو محدثین کی یہ عبارات مبتدع کو الگ چھوڑنے کے قبیل سے ہیں، نہ کہ ان کی روایات کے حکم کے بیان سے ان

کا تعلق ہے۔

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مبتدع کا ذکر کیا اور لوگوں کو اس کی روایات سے ڈرایا، جب کہ خود امام احمد رحمہ اللہ بھی ان سے روایات نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو امام احمد رحمہ اللہ اس مبتدع سے بواسطہ راوی روایت نقل کرتے پائے گئے، کیونکہ اب اس کے فتنہ پھیلنے کا خوف واندیشہ ختم ہو گیا تھا۔ جب کہ وہ راوی صدق وعدل کے درجے پر فائز تھا اور روایات حدیث کے معاملے میں ضابط تھا، تو اس سے روایت نقل کرنے کی تمام شرائط موجود تھیں جب کہ بدعت اور اس کے انتشار کا خوف اس کی موت کی بناء پر ختم ہو گیا تھا۔

دراسہ اسانید کے تیسرے مرحلہ پر باحث کے لئے راوی کے "أحوال و تراجم" پر مطلع ہونا ضروری تھا، اس مرحلہ کو مزید حصوں میں تقسیم کر کے ہم نے "تعیین راوی" اور "تاریخ پیدائش ووفات" کے بعد تیسرے قدم پر راوی کے بارے میں جرح وتعدیل کے اعتبار سے معرفت کو دو مباحث میں تقسیم کیا تھا، یہاں تک پہلی مبحث بالتفصیل بیان ہو چکی کہ کن راویوں کی روایات قبول کی جائیں گی اور کن راویوں کی روایات کو رد کیا جائے گا۔

اب دوسری مبحث کی طرف آتے ہیں کہ جرح وتعدیل کے لحاظ سے راویوں کے مراتب کیا ہوں گے۔

## مبحث ثانی: جرح وتعدیل کے مراتب

سب سے پہلے جس نے جرح وتعدیل کے لحاظ سے راویوں کے مراتب کی تقسیم ذکر کی وہ امام ابن أبی حاتم رحمہ اللہ تھے جنہوں نے اپنی مایہ ناز مشہور زمانہ کتاب "الجرح والتعدیل" کے مقدمہ میں اس بابت تفصیلی کلام ذکر کیا، ان کے بعد پھر اس ضمن میں دیگر اہل علم نے ان کی متابعت کرتے ہوئے ان مراتب کو اختصار وتفصیل کے ساتھ بیان کیا، جن کتب میں راویوں کے ان مراتب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ان میں امام سخاوی رحمہ اللہ کی "فتح المغیث" سر فہرست ہے، اسی طرح امام سخاوی رحمہ اللہ نے جرح وتعدیل کے الفاظ بھی ذکر کئے۔

تاہم ہمارے لئے ممکن ہے کہ ہم ان مراتب کو چار بنیادی مراتب ودرجات میں تقسیم کر سکیں، پھر اس کے بعد ہر مرتبہ ودرجہ کے تحت فرعی مراتب مندرج ہوتے ہیں۔

1. **مرتبہ اولیٰ:** تصحیح کے مراتب بمعہ اپنے تمام الفاظ کے ساتھ، یعنی وہ راوی جن کی احادیث کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

2. **مرتبہ ثانیہ:** تحسین کے مراتب، اس سے مراد وہ راوی ہیں جن کی روایات کو حسن لذاتہ کے مرتبہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

3. **مرتبہ ثالثہ:** تضعیف کے مراتب، اس سے مراد وہ راوی ہیں جو کہ معمولی (خفیف) ضعف کے ساتھ متّصف ہوں۔

4. **مرتبہ رابعہ:** ضعف شدید کے مراتب۔

تصحیح کے مراتب کے تحت "أمير المؤمنين"، "الحافظ الحجة"، "أوثق الناس"، جیسی عبارات شامل ہوتی ہیں، ان کے بعد کے مرتبہ کے لئے "ثقة"، "ثبت" اور "حجة" جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اسی طرح تحسین کے مراتب میں "صدوق" کا مرتبہ، اس کے بعد "لا بأس به" اور اس کے انتہائی قریب مرتبہ میں "أرجو أنه لا بأس به" شامل ہوتا ہے۔ اس کے بعد "صالح" اور اس کے بعد "شیخ" کا مرتبہ ہوتا ہے تاہم اس لفظ میں محدثین کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

تضعیف کے مراتب میں "ليس بالقوي"، "ضعيف"، "ليّن" اور اس جیسے دیگر کلمات شامل ہیں۔

ضعف شدید کے مراتب میں لفظ "متروك" پھر "منكر الحديث" اس کے بعد "ساقط الحديث" اور پھر "ذاهب الحديث" پھر "واهٍ بمرة" اور "ضعيف جداً" پھر "كذاب" اور "ركن الكذب" اور آخر میں "دجّال الدجاجلة" کے جیسے الفاظ شامل ہیں۔

یہاں اس بات کا خیال رہے کہ "الوضع" کا کوئی مرتبہ ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ "الوضع" حدیث پر حکم ہے نہ کہ راوی پر حکم۔ اسی وجہ سے علماء محدثین تنبیہ کرتے ہوئے اشارہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار جھوٹے راوی بھی سچ بولتے ہیں، اسی بناء پر کسی سند میں اگر کذاب راوی موجود ہو تو صرف اسی بناء پر اس حدیث کو "موضوع" کا حکم نہ دیا جائے گا، یا اس میں ضعف شدید کے مرتبہ والا کوئی راوی موجود ہو، تو بھی ایسا کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا، بلکہ یہاں فقط یہ کہنا کافی ہوگا کہ "إسناد شديد الضعف" یا "ضعيف جداً" اور اس حدیث کو موضوع نہیں کہا جائے گا جب تک کوئی قرینہ اس بارے میں دلالت نہ کرے۔

مصنفین نے جرح وتعدیل کے مسائل کے بارے میں مستقل کتب تالیف فرمائی ہیں اور ان کے مراتب ذکر کئے ہیں جن میں مشہور ترین امام لکھنوی رحمہ اللہ کی " الرفع والتکمیل "، أبو الحسن مصری رحمہ اللہ کی "شفاء العليل بألفاظ وقواعد الجرح والتعديل" اور شیخ عبد العزیز عبد اللطیف رحمہ اللہ کی "ضوابط الجرح والتعديل" ہیں۔ اسی طرح مصطلحات حدیث سے متعلق کتب عموماً جرح وتعدیل کے مراتب اور اس سے متعلق دیگر مباحث بیان کرتی ہیں۔

## مبحث ثالث: جرح وتعدیل کی عمومی مباحث

**نوع اول:** جرح وتعدیل کے متعلق بعض ائمہ کی مخصوص اصطلاحات کی معرفت۔

کبھی کسی خاص اصطلاح کا کسی امام کے نزدیک کوئی خاص مفہوم ہوتا ہے، جو کہ جمہور کے مفہوم سے یکسر مختلف ہوتا ہے، تو باحث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ائمہ کی اصطلاحات سے باخبر ہو، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ "سكتوا عنه" کسی راوی کے ضعف شدید کے لئے استعمال کرتے ہیں، جب کہ عبارت کے ظاہری مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ علماء جرح وتعدیل نے راوی کے بارے میں کسی قسم کا کوئی کلام نہیں فرمایا، جب کہ درحقیقت اس سے مراد اس کے بالکل برعکس ہے یعنی امام بخاری رحمہ اللہ اس سے جرحِ شدید مراد لیتے ہیں، تو "سكتوا عنه" سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان علماء جرح وتعدیل کے مطابق اس راوی کی گویا کوئی حیثیت ہی نہیں۔

اسی طرح امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ ”لیس بشیئ “ سے کسی راوی کا ” قلیل الحدیث “ ہونا مراد لیتے ہیں، جب کہ امام یحییٰ رحمہ اللہ یہ قول علی الاطلاق مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے وہ ضعف شدید مراد لیتے ہیں، تاہم کئی بار انہوں نے ان الفاظ کے ذریعے ”قلت حدیث “کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ”الموقظة “ میں ائمہ کی مخصوص اصطلاحات کی اہمیت کے بارے میں کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمیں ہر امام کے استعمال شدہ جرح وتعدیل کے کلمات کی معرفت ہونی چاہئے جو کہ وہ کسی راوی کے بارے میں صادر فرماتے ہیں، تو جب امام ذہبی رحمہ اللہ ان اصطلاحات کی معرفت کے محتاج ہیں اور اس کی اہمیت پر زور دے رہے ہیں، تو اسی سے ہی اس قضیہ کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔

اسی بات کا اقرار کرتے ہوئے شیخ عبد الرحمٰن المعلمی رحمہ اللہ ” الفوائد المجموعة “ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ کتب مصطلحات میں کئی الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جن کے معانی ان کے حقیقی مفاہیم سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

**نوع ثانی :** علماء جرح وتعدیل کے مراتب

جرح وتعدیل کے ماہرین علماء کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

أ. متشدد ب. متساہل ج. معتدل

محدثین نے اپنی کتب میں علماء جرح و تعدیل کی مذکورہ اقسام میں تقسیم ذکر کی ہے، جن میں امام ذہبی رحمہ اللہ کی ”ذِكْرُ مَنْ يُعتمدُ قوله في الجرح والتعديل “قابل ذکر ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ہر طبقہ کے علماء جرح و تعدیل، متشدد متساہل اور متوسط کی اقسام میں منقسم ہیں۔ جن میں اکثریت متشدد اور معتدل کی ہے۔

مثلاً تبع تابعین کے طبقہ میں یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو وہ متشددین میں

شمار کرتے ہیں، جب کہ اسی طبقہ میں عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ اور أحمد بن حنبل رحمہ اللہ کو وہ معتدل شمار کرتے ہیں، أبوزرعہ رحمہ اللہ کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ جرح وتعدیل کے بارے میں ان کا کلام بہت متاثر کن ہوتا ہے، اور انہیں وہ معتدل بتاتے ہیں، اسی طرح ابن عدی رحمہ اللہ کو معتدل اور متوسط کے درجے میں رکھتے ہیں جب کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کو وہ تعدیل میں متساہل اور جرح میں متشدد گردانتے ہیں۔

یہ مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ باحث کے لئے ائمہ جرح وتعدیل کے بارے میں تشدد اور تساہل کی صفت کا معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے، کسی بھی راوی پر حکم لگاتے ہوئے اس امام کی تشدد و تساہل کی صفت کو مد نظر رکھ کر اس کا حتمی فیصلہ کیا جائے گا، تو ممکن ہے کوئی امام اپنے تشدد کی بناء پر کسی راوی کی تجریح کردے اور وہ دیگر ائمہ کے مطابق ثقہ ہو، یا اس کے برعکس کوئی مسئلہ وقوع پذیر ہو تو اس صورت میں ائمہ کے تشدد و تساہل کو دیکھنے کے بعد ہی ان کے حکم کو حتمی شکل دی جائے گی۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی عالم کا تشدد کی صفت سے متّصف ہونا اس بات کا مقتضی نہیں ہے کہ اس کی کسی راوی کے بارے میں تضعیف کو قبول نہ کیا جائے اور تشدد پر محمول کر کے اسے نظر انداز کردیا جائے، اسی طرح کسی امام کا تساہل سے متّصف ہونا بھی اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ اس کی کسی راوی کے بارے میں توثیق کو بھی قبول نہ کیا جائے، نہ ہی اہل علم نے یہ قول کیا ہے اور نہ ہی امام ذہبی رحمہ اللہ نے خود اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جنہوں نے علماء کو متشدد و متساہلین میں تقسیم کیا ہے۔

بلکہ علماء کے یہ اوصاف اس بناء پر نقل کئے جاتے ہیں تاکہ کسی راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کے اقوال کے باہم متعارض ہونے کی صورت میں ان اوصاف و درجات کو مد نظر رکھا جائے۔ لہٰذا جو باحث و محقق متشدد کی تضعیف اور متساہل کی توثیق کو رد کرتے ہیں وہ اپنے اس منہج میں غلطی کے مرتکب ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض باحثین اور محققین جب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ ابن حبان

رحمہ اللہ کی توثیق پر اعتماد کرتے پائے جاتے ہیں تو حیرت کا اظہار کرتے ہیں، کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود ابن حبان رحمہ اللہ کو توثیق کے معاملے میں متساہل بتاتے ہیں اور پھر انہی کی توثیق پر اعتماد کرتے ہیں، تو یہ ان باحثین کی غلطی ہے، اسی طرح اگر کوئی باحث کسی متشدد عالم کی جرح کو رد کر دے یا متساہل کی توثیق کو رد کر دے اور اسے قبول نہ کرے، تو یہ اس عالم کے ذکر کردہ حکم کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہوگا، اور کسی عالم کے بیان کردہ حکم کو پس پشت ڈالنا مناسب نہیں ہے جب تک اس کے اقوال کی اکثریت پر اغلاط غالب نہ ہوں، تو اس علم کے ماہر کے اقوال کو یقیناً قبول کیا جائے گا جب تک کہ اس کے قول کے مخالف کوئی قرینہ نہ پایا جائے جس سے پتہ چلے کہ اس کا قول صائب قول کے مخالف ہے۔

علماء کی ان تین اقسام میں تقسیم کا فائدہ یہ ہے کہ کسی بھی راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کے اقوال میں تعارض کی صورت میں اگر متشدد جارح عالم نے کسی راوی کو ضعیف قرار دیا ہو، اور معتدل نے اسے "صدوق" قرار دیا ہو، اور متساہل نے اس کی توثیق کی ہو تو ان تینوں کے اقوال کو مد نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ مذکورہ راوی کے بارے میں صائب رائے یہی ہے کہ وہ "صدوق" ہے۔

**نوع ثالث:** جرح و تعدیل کے مسائل میں اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ بسا اوقات جرح و تعدیل میں مستعمل کئی الفاظ کے معانی غیر واضح ہوتے ہیں، مثال کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کا کسی راوی کے بارے میں قول "فيه نظر"، اس کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ضعف شدید ہے، جب کہ ایک باحث نے اس بارے میں الگ سے بحث مکمل کی جس میں اس نے امام بخاری رحمہ اللہ کے استعمال شدہ لفظ "فيه نظر" کا استقصاء کیا اور اس کی دراستہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ کا ضعف خفیف ہوتا ہے، اس نتیجے کی تائید باقی ائمہ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔

ان میں سر فہرست امام ترمذی رحمہ اللہ ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ کی مذکورہ اصطلاح کو ایک راوی کے بارے میں نقل کرنے کے بعد اس کی تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کے بارے میں

کسی قسم کے یقین کا اظہار نہیں فرمایا، جس سے امام ترمذی رحمہ اللہ یہ سمجھے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس راوی کے بارے میں متردد تھے اس وجہ سے یہ اصطلاح نقل کی۔ اور جن راویوں کے بارے میں تردد کا اظہار کیا جائے ان کا مرتبہ حسن کے آخری درجات میں ہوتا ہے، اور یہ ضعف کا پہلا مرتبہ ہوتا ہے۔

دوسرے امام ابن عدی رحمہ اللہ ہیں جو اپنی کتاب " الکامل "میں کئی مقامات پر اس بات کا اظہار کرتے پائے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "فیہ نظر " سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ضعف خفیف ہے۔

تیسرے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے مذکورہ اصطلاح اپنی کتاب "بذل الماعون في فضل الطاعون "میں ذکر کی ہے، اور فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد مرتبہ وسطیٰ ہے یعنی قبول اور رد کے درمیان والا درجہ، اور یہی صحیح ہے۔

**نوع رابع :** اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ متقدمین ائمہ ومحدثین کی جرح وتعدیل کے متعلق عبارات ہمیشہ مراتب جرح وتعدیل کا لحاظ رکھے ہوئے نہیں ہوتیں، بلکہ وہ راوی پر حکم لگانے میں توسع کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی امام سے کسی راوی کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس کے بارے میں صرف اتنا بتادیں کہ قابل قبول ہے یا نہیں، قطع نظر اس راوی کے بارے میں زیادہ تفصیلی حکم کے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی امام سے دو راویوں کے بارے میں پوچھا جائے جن میں سے ایک دوسرے سے زیادہ ثقہ ہو تو امام موصوف فرماتے ہیں پہلا راوی "الحُجّۃُ فلان وفلان " ہے اور دوسرا راوی "ثقۃ " ہے۔ یہاں وہ " حجۃ "اور "ثقۃ " کے درمیان فرق کرتے پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر امام سے کسی ایک راوی کے بارے میں انفرادی طور سے پوچھا جائے تو وہ عمومی جواب دیتے ہیں جس سے کسی قسم کا کوئی مرتبہ واضح نہیں ہوتا۔

اسی طرح سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی مصطلحات اور الفاظِ جرح وتعدیل کے معانی پر

مطلع ہوا جاسکتا ہے، اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ جرح وتعدیل کے کلمات کے سیاق و سباق جاننے کے لئے کتب اصلیہ کی طرف رجوع کیا جائے، جن میں یہ الفاظ ذکر کئے گئے ہوں، لہٰذا صرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "تھذیب التھذیب" کی طرف رجوع کافی نہیں رہے گا، کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صرف اس راوی کے بارے میں کسی امام کی ذکر کردہ عبارت ہی ذکر کرتے ہیں، جب کہ اگر اس امام کی اصلی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے تو مکمل سیاق و سباق دیکھنے کے بعد اس امام کی اصل مراد اور مقصد تک پہنچا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ اگر کوئی خفیف الضبط راوی کسی ایسے راوی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو جو کہ کذاب ہو، اور ان دونوں کے بارے میں امام سے پوچھا گیا ہو تو اس کے جواب میں وہ کہے کہ "فلان صالح، لیس کفلان الکذاب"، تو یہاں "صالح" سے مراد اس امام کی یہ نہیں ہے کہ وہ اس کی حدیث کو حسن کے درجے میں رکھ رہے ہیں۔ لیکن جب کذاب راوی کے ساتھ متّصل اس کا ذکر آیا ہے تو اس کے ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ سراسر ظلم ہوگا کہ ان دونوں کو اکٹھا ذکر کیا جائے، اور انہیں ایک ہی مرتبہ میں رکھا جائے، گویا کہ وہ امام ان دونوں کے درمیان تفریق ذکر کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "تھذیب التھذیب" میں کسی راوی کے بارے میں یحیٰی بن معین رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمائیں "فلان صالح" اور جب یحیٰی بن معین رحمہ اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں ایک الگ سیاق میں ہی مذکورہ عبارت موجود ہو۔

اسی طرح ایک سیاق اور بھی ہے جو کہ عموماً "تاریخ عثمان ابن سعید الدارمي عن یحیی بن معین" میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ وہ کتاب کے مقدمہ میں کسی معین شیخ سے روایت کرنے والوں کو طبقات کی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں، جس کے مطابق ان سے امام شعبہ رحمہ اللہ کے ثقہ ترین راویوں کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ فرماتے ہیں کہ ثقہ ترین راوی فلاں، فلاں اور فلاں ہیں، اس کے بعد پوچھا جائے کہ ان کے بعد کون ثقہ ہیں؟ تو پھر مزید راویوں کے نام ذکر کریں، اس کے بعد پھر پوچھا جائے تو وہ

فرمائیں "فلان ثقة وفلان ضعيف". توان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مذکورہ راوی اس معین شیخ سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں اور جو ضعیف ذکر کیا گیا وہ اسی معین شیخ سے روایت کرنے میں ضعیف ہے نہ کہ مطلقاً اس کا ضعف بیان کیا گیا ہے۔ تو ایسی صورتحال میں مطلقاً یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس مذکورہ راوی کے بارے میں کہا جائے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ یہ راوی دیگر راویوں کے ساتھ ذکر کیا گیا اور معین شیخ سے روایت میں اس کا ضعف بیان کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ جرح وتعدیل میں اصل کتاب کو رجوع کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔

## نوع خامس : کلام أقران

اس موضوع کے بارے میں متقدمین ومتاخرین علماء نے کافی کلام کیا ہے، لیکن اس بارے میں محتاط رہنا ضروری ہے، کیونکہ اس موضوع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ جرح وتعدیل اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اپنے معاصرین کے بارے میں عناداً جرح صادر فرماتے تھے، اور پھر یہ تصور آتا ہے کہ کلام اقران کسی صورت قابل قبول نہ ہونا چاہیئے۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ اقران اور معاصر علماء ہی ایک دوسرے کو زیادہ صحیح طور سے جاننے والے ہوتے ہیں، اسی طرح ائمہ جرح وتعدیل توثیق وتجریح کے باب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے، لیکن اگر باحث کو کوئی ایک یا دو مثالیں ایسی ملیں جن میں کلام الاقران میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والی جیسی صورتحال پائی جائے تو اسے عمومی طور سے نافذ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے مطلقاً اس تناظر میں دیکھا جائے گا۔

جب کہ قاعدہ "كلام الأقران في بعضهم لا يقبل" یہ قاعدہ صحیح ہے، لیکن ایک مخصوص قید کے ساتھ اور وہ قید یہ ہے کہ کسی معاصر کی کسی دوسرے معاصر کے بارے میں جرح قبول نہیں کی جائے گی "اگر مجروح معاصر کے بارے میں عام اہل علم نے عدالت کا ثبوت کیا ہو"، یعنی "لا يقبل كلام الأقران فيمن ثبتت عدالته".

اسکی مثال "أحمد بن صالح المصري" کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ کی جرح ہے، جب کہ احمد بن صالح رحمہ اللہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی طرح جرح وتعدیل کے نامور امام تھے، توامام نسائی رحمہ اللہ کی جرح ان کے بارے میں قابل قبول نہیں ہوگی۔ خصوصًا جب ہمیں امام نسائی رحمہ اللہ کی تجریح کا سبب بھی معلوم ہو، دیگر علماء نے ان کی تعریف فرمائی ہے اس وجہ سے امام نسائی رحمہ اللہ کی تجریح قابل التفات نہیں رہتی۔

اسی طرح اس تجریح کو بھی اعتبار حاصل نہیں ہوگا جوکہ اختلاف مذاہب کی بناء پر ہو، جیساکہ بعض علماء کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے کچھ دیگر راویوں کو اختلافِ مذہب کی بناء پر جرح کا نشانہ بنایا، جیسے امام جوزجانی رحمہ اللہ کا اہل تشیع کے بارے میں جرح، کیونکہ امام جوزجانی رحمہ اللہ میں "نصب" پایا جاتا تھا، اسی طرح اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو بھی ناقابل قبول ہوگا۔

تاہم یہ عمومی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اہل السنت والجماعت عام طور سے انصاف واعتدال کے راستے پر گامزن تھے اور ان سے ایسے امور کا صدور محال تھا، مثال کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ "عمران بن حطّان" سے روایت کرتے پائے گئے جو خارجی تھے اور اپنے مذہب کی طرف داعی بھی تھے، لیکن جب ان کا صدق وضبط امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے ثابت ہوگیا تو ان سے روایت کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں فرمایا، اسی طرح قدریہ، مرجئہ، اہل تشیع بلکہ روافض سے بھی انہوں نے روایت کی۔ اہل سنت والجماعت کی یہی شان ہے اور یہی امت وسط کی خصوصیت ہے۔

**نوع سادس :** جرح وتعدیل صرف ان لوگوں کی قبول کی جائے گی جوکہ جرح وتعدیل کے امور سے باخبر ہوں اور ان کے اسباب پر مطلع ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی ثقہ ہوں، لہٰذا کسی ضعیف راوی کی دوسرے راوی کے بارے میں جرح وتعدیل قبول نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح ایسے آدمی کی بھی جرح وتعدیل قبول نہیں کی جائے گی جوکہ جرح وتعدیل کے اسباب سے جاہل ہو اگرچہ خود ثقہ ہو، جرح کے اسباب بکثرت ہیں جوکہ عدالت وضبط سے متعلق ہیں جیساکہ تعدیل کے اسباب بکثرت ہیں جوکہ عدالت وضبط سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو جو راوی اپنی روایت کردہ

حدیث کو یاد نہ رکھ سکتا ہو تو وہ دوسرے کی روایت پر کیسے حکم لگا سکتا ہے ؟۔

اور جس راوی کی عدالت مجروح ہو تو اسے دوسرے کے اوپر عدالت کا حکم لگانا زیب نہیں دیتا، اس موضوع کی اہمیت کے بارے میں علماء نے مستقل کتب تالیف فرمائی ہیں جیسے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کی "ذِكْرُ مَنْ يُعتمد قوله في الجرح والتعديل" اور امام سخاوی رحمہ اللہ کی "المتكلمون في الرجال"، اس کے علاوہ کئی کتب کے مقدمات بھی اس موضوع کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

**نوع سابع :** جرح وتعدیل کا تعارض

جرح وتعدیل کی مباحث میں یہ اہم ترین مبحث ہے، کیونکہ راویانِ حدیث کے بارے میں جرح و تعدیل کا تعارض بکثرت پایا جاتا ہے اور کئی راوی مختلف فیہ واقع ہوئے ہیں، جب کہ تعارض کی صورت میں علماء کا اختلاف بھی کافی طویل ہے، اس ضمن میں راجح رائے کو مندرجہ ذیل نقاط میں ذکر کیا جاسکتا ہے:

کسی بھی راوی کے بارے میں اگر جرح و تعدیل دونوں قسم کے اقوال پائے جائیں اور ان مختلف اقوال کا صدور ایک امام سے نہ ہو بلکہ مختلف ائمہ سے یہ اقوال صادر ہوئے ہوں، تو ایسی صورتحال کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں:

أ. اگر جرح و تعدیل کا تعارض ہو تو جرح مفسر کو مقدم کیا جائے گا، تاہم اگر کوئی عالم اسے جھٹلا دے تو یہ جرح قبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ اس بات کی دلالت ہوگی کہ یہ جرح صحیح نہیں ہے۔

جرح مفسر سے مراد یہ ہے کہ اس جرح کا سبب بھی بیان کیا گیا ہو، جرح حقیقی سے مراد یہ ہے کہ وہ سبب ایسا ہو کہ جس کی بناء پر کسی راوی کی عدالت یا ضبط کو نقصان پہنچایا جاسکے، جیسا کہ کسی عالم نے راوی کے بارے میں جرح کی اور جب سبب پوچھا گیا تو جواب دیا کہ "رأيته يركب على برذون يجري به في السوق"، تو یہ جرح حقیقی نہیں ہے، اسی طرح ایک دوسرے راوی کی جرح کی گئی تو جب پوچھا گیا تو جواب دیا کہ "سمعت في بيته طنبوراً"، اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس موسیقی کی آواز چھوٹے بچے یا اس راوی کے علاوہ کسی شخص سے صادر ہوئی ہو، جس کا اس راوی کو علم ہی نہ ہو۔ جس کی بناء پر اس کی تجریح درست

متصور نہ ہوگی۔

اسی طرح تعدیل کی صورتحال بھی ہے کہ کسی راوی کی توثیق کی گئی، جب اس توثیق کا سبب پوچھا گیا تو جواباً بتایا کہ "لو رأيت لحيته وهيئته"، تو اس بناء پر کسی راوی کی توثیق کرنا بھی غیر صحیح ہے، کیونکہ صرف ہیئت وحالت کی بناء پر کسی قسم کی تعدیل وتوثیق نہیں کی جاسکتی۔

الغرض تعارض جرح و تعدیل کی صورت میں اگر جارح یا معدل کسی راوی کی جرح یا تعدیل ذکر کرتے وقت اس کا سبب بیان بھی کردے تو یہ جرح وتعدیل کے لئے کافی نہیں ہوگی اور یہ جرح و تعدیل قبول نہیں کی جائے گی اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ضروری ہے کہ جرح حقیقی ہو جو کہ قابل قبول ہو، تو صرف اس صورت میں جرح کو مقدم کیا جائے گا۔

تاہم اگر ان تمام شرائط کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا امام کہے کہ "أنا أعرف أن فلاناً قد تكلم في فلان بكذا، والصواب ليس كذلك"، اور اس جرح کا سبب بیان کردے کہ کس بناء پر مذکورہ امام نے مطلوبہ راوی کی جرح بیان کی ہے تو ایسی صورت میں یہ جرح قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسی صورتحال کے کئی مثالیں امام ذہبی رحمہ اللہ نے "ميزان الاعتدال" میں ذکر کی ہیں، جس کے مطابق کئی راویوں کو ایسے اسباب کی بناء پر مجروح کیا گیا ہوتا ہے جو اسباب صرف ظاہری طور سے جرح کا سبب بنتے ہیں، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کا دفاع بھی کیا ہے، جیسا کہ کوئی راوی مجروح کیا گیا ہو اور سبب جرح میں اس کا شراب پینا ذکر کیا گیا ہو، جس کے جواب میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے پائے گئے ہیں کہ وہ راوی شراب نہیں پیتے تھے بلکہ وہ نبیذ پیتے تھے اور وہ اہل کوفہ میں سے تھے جو کہ نبیذ پینے کو جائز سمجھتے ہیں تو اس صورت میں اس جرح کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ سبب جرح قابل قدح نہیں ہے، اور راوی ثقہ ہی رہے گا۔

اسی طرح کبھی راوی کے ضبط میں کلام کیا جائے اور کہا جائے کہ مثلاً "روى حديث كذا، وتفرّد به"، یعنی اس کے تفرد کی طرف اشارہ کیا جائے اور راوی منکر الحدیث ہو، اور امام ابن عدی رحمہ اللہ فرمائیں کہ "لم يتفرد به، بل تابعه فلان وفلان"، تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اور یہ اس کی جرح پر دلالت

نہیں کرے گی، اگرچہ ہم ان متابعات پر مطلع نہ بھی ہوں، تو یہاں اگرچہ جرح کا سبب بھی بیان کیا گیا ہے تاہم دوسرے عالم نے اس سبب کے بعد مزید سبب بیان کرتے ہوئے اس سبب کی نفی کر دی تو اب یہ جرح قبول نہیں ہوگی۔

ب. تعارض کی صورت میں جرح مبہم کو تعدیل پر مقدم رکھا جائے گا کیونکہ جارح جرح کرتے ہوئے گویا اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ اس کے پاس مطلوبہ راوی کے بارے میں زیادہ معلومات ہیں۔

اسی طرح اگر باحث جارح کے قول کو مقدم کر رہا ہے تو وہ گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میں معدل کے قول کو جھٹلا نہیں رہا لیکن جارح کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلوبہ راوی کے بارے میں ان امور کو بھی جانتا ہے جو معدِل نہیں جانتا، اور جارح و معدل دونوں اپنے اپنے علم کے مطابق حکم صادر کر رہے ہوتے ہیں، لیکن اگر باحث تعدیل کرنے والے کے قول کو مقدم کر کے اسے فوقیت دے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا جارح کی تکذیب کی جا رہی ہے کہ کوئی سبب جرح موجود نہیں تھا جس کی بناء پر اس نے جرح فرمائی، اور جارح کو جھٹلایا جا رہا ہے یا کم از کم وہ اس جرح میں غلطی پر ہے، جو کہ صحیح اسلوب و رویہ نہیں ہے۔ اسی بناء پر ہم جرح مبہم کو تعدیل پر مقدم کریں گے۔ یہ بات بھی مدنظر رہے کہ یہاں جارح و معدل سے مراد وہ علماء ہیں جو کہ جرح و تعدیل کے اسباب سے باخبر ہوں، اور جرح کسی حقیقی سبب کی بناء پر کی گئی ہو۔

اس سلسلے میں یہی حکم اصلی ہے تاہم کچھ قرائن موجود ہوں تو احکام بدل بھی سکتے ہیں، اور وہ قرائن بکثرت کتبِ جرح و تعدیل میں ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً:

- تعدیل کرنے والوں کی کثرت

تو اگر کسی جماعت نے ایک راوی کی توثیق کی ہو اور ان کے مقابلے میں صرف ایک عالم نے اس راوی کی جرح کی ہو اور وہ بھی جرح مبہم کے ساتھ، تو اس صورت میں جماعت کے قول کو مقدم کیا جائے

گا، اور جارح کی تضعیف کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس کی جرح سبب حقیقی کی بناء پر نہیں ہے۔

- تعدیل کرنے والوں کی معاصرت اور جرح کرنے والوں کی عدم معاصرت

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ اگر تعدیل کرنے والے اس راوی کے معاصر ہوں اور جرح کرنے والے اس راوی کے ہم عصر نہ ہوں اور جرح بھی مبہم ہو تو ایسی صورت میں تعدیل کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ معاصرین علماء اپنے زمانہ کے راویوں کو بخوبی جانتے ہیں تو ان کی تعدیل کو جرح مبہم پر ترجیح دی جائے گی۔

- تعدیل کرنے والوں کا علم جرح کرنے والوں کے علم پر بھاری ہو۔
- تعدیل کرنے والوں کا اور مجروح راوی کا علاقہ/شہر ایک ہی ہو۔

تو اگر کوئی راوی بصرہ کا رہنے والا ہو اور اسے اہل بصرہ نے ثقہ قرار دیا ہو، جب کہ اسی راوی کو کسی خراسان کے عالم نے مجروح قرار دیا ہو، تو اس صورت میں اس راوی کے اہل علاقہ کی تعدیل کو مقدم کیا جائے گا، یعنی اہل بصرہ کی تعدیل کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ وہ اپنے علاقہ کے راوی کو بخوبی جانتے ہیں۔ اسی بناء پر محدثین فرماتے ہیں کہ راوی کو اپنے علاقہ سے سفر نہیں کرنا چاہئے جب تک اپنے علاقہ کے علماء و محدثین سے مکمل استفادہ نہ کرلے۔

- تعدیل کرنے والوں نے تعدیل کے لئے ایسی عبارات و الفاظ استعمال کئے ہوں جو جارحین کی عبارات والفاظ سے قوی ہوں۔

تو اگر تعدیل کی عبارت ''ثقة حجة'' ہو اور اس کے مقابلے میں جرح ''أحسبه ليناً'' کے الفاظ سے ہو تو یہاں جرح کی عبارت میں ضعف واضح طور سے نظر آ رہا ہے، تو اسی بناء پر قوی عبارت کو فوقیت دی جائے گی۔

- کچھ کلمات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی ذہن میں متبادر یہ خیال آتا ہے کہ جرح کے

الفاظ ہیں جب کہ در حقیقت وہ تعدیل کے الفاظ ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر امام شعبہ رحمہ اللہ کا کسی راوی کے بارے میں قول: "إنه شيطان"، عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذم بیان کر رہے ہیں، جب کہ شعبہ یہاں پر اس راوی کے قوت حفظ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں اور تعجب کا اظہار فرمارہے ہیں، اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ مستغرب امور کو جنات کی طرف منسوب کرتے ہیں، ایسے ہی الفاظ "ابن وارة" رحمہ اللہ نے عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کے بارے میں نقل فرمائے ہیں، جب ان کی قوت حافظہ کو دیکھا تو فرمایا: "ماذا خرج من ظهر مهدي، كأنه جني".

اسی طرح کئی عبارات اس کے برعکس بھی واقع ہوتی ہیں، کہ الفاظ سے ظاہری طور سے ان کی تعدیل مراد ہوتی ہے جب کہ در حقیقت وہ جرح ہوتی ہے، جیسا کہ عبارت " هو على يديْ عدل"، اس عبارت سے امام عراقی رحمہ اللہ تعدیل مراد لیتے ہیں جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جرح کی عبارت ہے، اور اس عبارت کا اعراب لگاتے ہوئے اسے "هو على يدَي عدلٍ" بتایا، نہ کہ "على يدِيْ عدلٌ" جیسا کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے سمجھا، اور "عدل" ایک آدمی کا نام تھا جو کہ یمن کے بادشاہوں میں سے ایک ظالم بادشاہ کا آدمی تھا، وہ بادشاہ جب بھی کسی انسان کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو حکم دیتے ہوئے آواز لگاتا، "يا عدل"، اسے پکڑو اور قتل کرو، یہاں تک کہ یہ ضرب المثل بن گیا کہ جب "فلان على يدي عدل" کی عبارت بولی جاتی تو اس کا مطلب ہلاکت ہوتا، یہاں بھی اس سے مراد راوی کی ہلاکت ہی ہے۔

- جارح کے اجتہاد میں اختلاف کی بناء پر بھی تعدیل کو مقدم رکھا جائے گا۔

یعنی اگر کسی جارح نے راوی کو ضعیف قرار دیا، اور دیگر ائمہ اس کی تعدیل کرتے پائے گئے، جب کہ یہی جارح اپنے دوسرے قول میں اسی راوی کی تعدیل کرتا پایا گیا تو اس قرینہ کی بنیاد پر اس توثیق کو

مقدم کیا جائے گا۔

- تعدیل کرنے والے کی راوی کے ساتھ دشمنی اور عداوت ہو تو اس صورت میں تعدیل کو مقدم کیا جائے گا کہ اگر باوجود عداوت کے تعدیل کی جا رہی ہے اس کا مطلب ہے کہ ضرور وہ راوی کسی ایسی صفت کا پرتو ہے کہ دشمن بھی اس کی تعدیل کر رہا ہے تو یہاں جرح مبہم پر تعدیل کو مقدم کیا جائے گا۔

**نوع ثامن:** جرح وتعدیل کے اہم مسائل میں "المجہول" کا مسئلہ بھی شامل ہے، کیونکہ مجہول کی نہ تو جرح کی گئی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی تعدیل کی گئی ہوتی ہے، تو یہ درمیانی حالت میں ہوتا ہے کہ جس کی حالت مجہول قرار دی گئی ہوتی ہے۔ علماء ومحدثین نے مجہول کو کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے، جن میں سے مشہور تقسیم امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی ہے جنہوں نے مجہول کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے:

أ. "المستور"، اس سے مراد وہ راوی ہے جس سے دو عادل راوی روایت کرتے پائے جائیں۔

یا ایسی شخصیت اس سے روایت کرے جو امام، حافظ اور محدث کے درجہ پر فائز ہو (یہ اضافہ ابن رجب رحمہ اللہ کے مطابق ہے) تو اس شخص کو مستور کہا جاتا ہے، اس لحاظ سے مستور اسے کہتے ہیں کہ جس کی عدالت ظاہری معلوم ہوتی ہے اور باطنی عدالت مجہول ہوتی ہے۔

ب. "مجهول الحال"، وہ راوی ہوتا ہے کہ جس کی ظاہری وباطنی عدالت مجہول ہو لیکن اس کی ذاتی شخصیت معلوم ہو، اور وہ ایسا راوی ہوتا ہے کہ جس سے صرف ایک راوی روایت کرنے والا ہو اور روایت کرنے والا انقاد محدثین میں سے نہ ہو۔

ت. "مجهول العين"، وہ راوی ہوتا ہے کہ جس کی ظاہری وباطنی عدالت مجہول ہو اور نہ ہی اس کی شخصیت معلوم ہو، اس لحاظ سے وہ مبہم کی طرح ہوتا ہے۔

"مستور الحال" کا حکم یہ ہے کہ اگر عدالت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو راوی اگر متقدمین راویوں میں سے ہو یعنی جو کہ ابتدائی زمانہ کے راوی ہوں تو:

ان راویوں کے بارے میں صرف عدالت ظاہری کو ہی دیکھا جائے گا۔

اسی طرح اگر راوی متاخرین میں سے ہو، تاہم وہ کسی کتابِ حدیث کے مصنف سے اس کے نسخہ کو نقل کرنے والوں میں سے ہو تو بھی اس کی عدالت ظاہری کو ہی کافی سمجھا جائے گا۔

اگر ان دو قسم کے علاوہ راوی ہوں تو پھر صرف عدالت ظاہری کافی نہیں ہوگی۔

"مجھول الحال والعین" کا حکم یہ ہے کہ ان کی روایات کے قبول میں توقف کیا جائے گا، اور اس توقف کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کی روایت کردہ حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ علماء و محدثین ایسی کسی بھی حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں، "حدیث ضعیف، فیه فلان وهو مجهول"، تاہم انتہائی احتیاط یہ ہے کہ اس موقع پر یہ کہا جائے "حدیثه تُوُقِّفَ فیه؛ لأن فیه فلان وهو مجهول"، لیکن جب اس پر حکم لگانے میں توقف اختیار کیا گیا تو اس پر عمل کرنا مشکل ہو گیا، اور اس لحاظ سے جہالت راوی اور تضعیف راوی تقریباً برابر ہو گئے، اسی وجہ سے علماء نے ایسی روایت پر ضعف کا اطلاق کیا ہے۔

لیکن یہاں یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ "المجھول" کی حدیث کے ضعف کا مرتبہ کیا ہو گا؟ کیا اس کی حدیث کو "الاعتبار" کے درجہ میں ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ اور اس کی حدیث کو متابعات و شواہد کی موجودگی میں تقویت دی جا سکے گی؟ یا اس کی حدیث نہ خود قوی ہو سکے گی اور نہ ہی کسی دوسری روایت کے لئے تقویت کا باعث بن سکے گی۔ بالفاظ دیگر اس کا ضعف "ضعف شدید" ہو گا یا "ضعف خفیف"؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مجھول الحال اور مجھول العین کی روایات پر ایسا حکم نہیں لگا سکتے جو کہ عام حکم ہو اور ان کی تمام روایات کو شامل ہو، بلکہ ان مجھولین پر حکم لگانا در حقیقت ان کی ہر ہر حدیث کے

لحاظ سے الگ الگ مستقل حکم لگانا ضروری ہوگا۔

اس لحاظ سے اگر ان مجہولین نے ایسی حدیث روایت کی جس میں شدید قسم کی نکارت ہو تو یہ حدیث کسی بھی صورت میں تقویت نہیں حاصل کر سکتی، جیسا کہ ایسی روایت میں "الوضع" کی علامات پائی جائیں، تاہم "مجهول الحال" درحقیقت "مجهول العين" سے خفیف درجے کا ہوتا ہے۔

یہاں اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی بھی امام محدث کی طرف سے کسی راوی پر جہالت کا حکم درحقیقت کسی دوسرے امام کی طرف سے اسی راوی کی توثیق یا تجریح کے حکم کے معارض نہیں ہوتی، کیونکہ وہ امام جس نے اسے "الجهالة" کے ساتھ متّصف کیا ہے، وہ ان کی اپنی رائے کے مطابق ہے یعنی اس امام کو مذکورہ راوی کے حالات کا علم نہیں تھا تو اس نے اسے مجہول قرار دیا، جب کہ جس نے اس کی توثیق یا تجریح کی ہے وہ اسے جانتے ہیں اور اس پر توثیق یا تجریح کا حکم لگاتے ہیں تو وہ اپنے علم کے مطابق لگاتے ہیں۔

لہٰذا اس مسئلہ کو تعارض جرح و تعدیل کے مسائل میں نہیں شمار کیا جائے گا۔ تاہم کچھ ائمہ کی جانب سے ایسی صورت میں اس مسئلہ کو تعارض کی شکل میں ذکر کرتے ہوئے "الجهالة" کو تعدیل یا تجریح پر فوقیت و ترجیح دی ہے۔ لیکن اس میں باریک سا فرق ہے کیونکہ کسی راوی پر "الجهالة" کا حکم درحقیقت اُس امام کی جانب سے اس راوی کے احوال سے لاعلمی کا اظہار ہے، جب کہ اسی راوی پر توثیق یا تجریح کا حکم اس راوی کے احوال کی معرفت پر دلیل ہے، کہ وہ اسے جانتے ہیں اور وہ ثقہ یا مجروح ہے۔ تو اس صورت میں کسی قسم کا تعارض واقع نہیں ہوتا، اس بناء پر یقیناً توثیق یا تجریح کو "الجهالة" پر ترجیح دی جائے گی۔
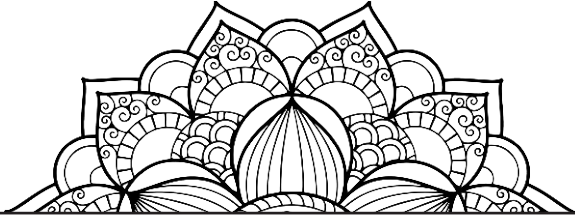
# حصہ دوم: دراسہ اسانید

## فصل چہارم:

چوتھا مرحلہ طرق واسانید اور متون میں راویوں کے اختلاف کو زیر تحقیق لانا اگر ایسا کوئی اختلاف پایا جائے

## فصل پنجم:

پانچواں مرحلہ: سند پر حکم لگانا

## فصل ششم:

چھٹا مرحلہ: متابعات وشواہد اور گزشتہ تفصیل کو دیکھتے ہوئے حدیث پر حکم لگانا
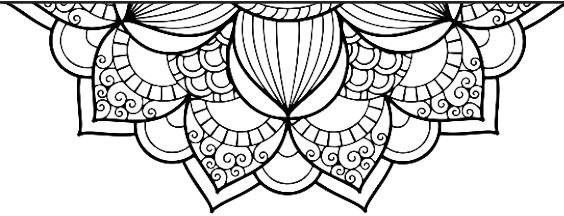
## چوتھا مرحلہ:

### اسانید ومتون میں راویوں کے اختلاف کو زیر تحقیق لانا اگر ایسا کوئی اختلاف پایا جائے

اس مرحلہ میں باحث ومحقق تمام طرق واسانید کو اکٹھا کرنے کے بعد ان کا بغور مطالعہ کرتا ہے کہ راویان حدیث کے مابین مذکورہ حدیث کی سند یا متن میں کسی قسم کا اختلاف تو نہیں پایا جاتا، یعنی کسی سند میں ایک راوی کو کسی دوسرے راوی سے بدل دیا گیا ہو، یا سند میں اتصال وارسال یا رفع ووقف کا اختلاف واقع ہوا ہو، یا متن میں کسی قسم کی زیادت ونقصان کا اختلاف پایا گیا ہو، یا متن میں الفاظ کی ایسی تقدیم وتاخیر پائی گئی ہو جو کہ حدیث کے معانی پر اثر انداز ہوتی ہو۔

اگر کسی بھی حدیث کے تمام طرق کو اکٹھا کرنے کے بعد اس کی سند ومتن میں کسی قسم کا اختلاف نہ پایا جائے تو اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اس حدیث پر تفرد راوی کا حکم تو نہیں لگایا گیا، اگر تفرد کا حکم نہ لگایا گیا ہو تو ایسی صورت میں باحث کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کی مذکورہ سند پر اس سند کے احوال کے مطابق صحت یا ضعف کا کوئی حکم لگا دے۔

کسی بھی روایت میں تفرد راوی کی معرفت ووضاحت مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:

أ. یا تو کسی امام حاذق اور ماہر محدث نے اس بات کی صراحت فرمائی ہو کہ اس حدیث میں تفرد پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر کہے، ”هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث فلان“ یا ”هذا حديث فرْدٌ“ یا ”لا أعرفه إلا من هذا الوجه“ جیسے الفاظ استعمال کرے جو کہ تفرد اور غرابت طرق پر استدلال کرتے ہیں۔

ب. کسی امام کی طرف سے صراحت موجود نہ ہو، لیکن اگر مندرجہ ذیل دو امور کسی روایت میں جمع ہو جائیں تو بھی اس کو تفرد قرار دیا جا سکتا ہے:

- تخریج کرتے وقت کوئی بھی باحث ومحقق مطلوبہ حدیث کے تمام طرق کا احاطہ کر لے۔

اور آخری حد تک تمام کتب حدیثیہ کا استقصاء کرکے اس بات کا اعلان کرے کہ مطلوبہ حدیث کا کوئی اور طریق نہیں ملا، جب کہ باحث تمام مصادر و مراجع پر مطلع ہونے پر قادر بھی ہو، کہ اس کی معلومات کے مطابق کوئی قابل قدر مصدر باقی نہیں رہ گیا۔

- اس مکمل تخریج اور استقصاءِ مصادر کے ساتھ کچھ قرائن بھی اس دعویٰ کی موافقت کرتے پائے جائیں۔

یعنی علماء وحفاظ اس حدیث کے مذکورہ طریق کے علاوہ دیگر طرق نہیں جانتے تھے، مثال کے طور پر امام دارقطنی رحمہ اللہ کی کتاب "العلل" میں اگر یہ روایت ذکر کی گئی ہو تو امام دارقطنی رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی بھی حدیث کے تمام طرق کا استقصاء کرتے ہیں۔

اگر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی ایک ہی طریق ذکر کیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل وقرینہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں تفرد راوی ہے کیونکہ اگر اس کے دیگر طرق ہوتے تو لامحالہ امام دارقطنی رحمہ اللہ اسے ذکر کرتے، پھر اسی طرح امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ بھی عموماً امام دارقطنی رحمہ اللہ کی موافقت کرتے پائے جاتے ہیں اور حدیث کو اپنی کتاب العلل میں ذکر کرتے ہیں، اور اتفاقِ سند ومتن یا اختلافِ سند ومتن کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسی طرح تفرد راوی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات ایسی عبارات بھی ملتی ہیں مثال کے طور پر کوئی عالم فرمائے "هذا الحديث يُعرف بفلان"، تو یہ اگرچہ تفرد راوی کی صراحت نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی اس حدیث کے ساتھ مشہور ہے، گویا کہ اس نے اس میں تفرد کیا ہے۔ اس قسم کی عبارت کے بعد اگر باحث کو مذکورہ روایت کا مزید کسی قسم کا کوئی طریق نہ مل سکے تو اس موقع پر باحث اس طرف میلان اختیار کرسکتا ہے کہ مذکورہ حدیث پر تفرد راوی کا اطلاق کرسکے۔

درج بالا طرق واسلوب کے بعد اگر تفرد راوی مکمل طور سے ثابت ہوجائے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس روایت کے راوی کا تفرد محتمل ہے یا نہیں؟ یعنی ایسے راوی کا تفرد قابل قبول ہے یا نہیں؟ کیونکہ علماء و

محدثین نے اس مسئلہ میں وضاحت فرمائی ہے جن میں امام ابن الصلاح رحمہ اللہ سر فہرست ہیں کہ "شاذ، منکر و مردود" احادیث کی انواع میں ایسی غریب حدیث بھی شامل ہے کہ جس کے راوی نے تفرد اختیار کیا ہو اور اس کا ضبط واتقان ایسی نوعیت و درجہ کا نہ ہو کہ اس کے تفرد کو سنبھال سکے اور اس کے تفرد کے لئے سہارا کا کام دے سکے۔

کبھی راوی ثقہ یا صدوق ہوتا ہے اور کسی ایسے مسئلہ و حدیث کے ذکر میں تفرد اختیار کرتا ہے جو کہ کسی دوسری حدیث میں نہیں پایا جاتا سوائے اس راوی کی حدیث کے (محدثین کی اصطلاح میں اسے "الأصل" کہا جاتا ہے)، تو اگر ثقہ یا صدوق راوی کسی ایسے مسئلہ میں تفرد اختیار کرے اور اس کے تفرد کو محتمل بھی قرار نہ دیا جا سکتا ہو اور اس کے تفرد کو سنبھالا بھی دینا ممکن نہ ہو تو اس تفرد کو مردود قرار دیا جائے گا، اور اس تفرد کو اس ثقہ یا صدوق راوی کے اوہام میں سے شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر یہ تفرد صحیح ہوتا تو ایسا مسئلہ یقیناً دیگر ائمہ و کبار محدثین بھی ضرور ذکر کرتے جو مسئلہ کسی بھی باب میں "الأصل" کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کی مثال کے لئے ملاحظہ ہو نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ "أن النبي ﷺ كان إذا دخل الخلاء وضع خاتمه"، اس حدیث کو امام أبو داؤد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ اپنی سنن میں نقل کرنے کے بعد اس پر "هذا حديث منكر" کا حکم لگایا ہے، علماء و محدثین نے اس کی نکارت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث میں "همّام بن يحيى" رحمہ اللہ نے تفرد اختیار کیا ہے اگرچہ وہ ثقہ راوی ہیں اور شیخین کے راویوں میں سے ہیں، لیکن امام أبو داؤد رحمہ اللہ کے مطابق ان کا تفرد اس حدیث میں محتمل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کے بارے میں فرمایا: "هذا حديث غير محفوظ"، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آخری عمر میں بھی "خاتم" پہنی تھی، اور اگر نبی کریم ﷺ اسے ہر بار بیت الخلاء جاتے وقت اتارا کرتے تو ضرور اسے راویوں کی ایک بڑی جماعت روایت کرتی، کیونکہ بیت الخلاء کی

طرف جانا دن رات میں کئی بار متوقع ہوتا ہے، تو "همّام بن یحیی" کا اپنے شیخ سے تفرد اور پھر شیخ کا اپنے شیخ سے تفرد یہاں تک کہ صحابی بھی ایک ہی ہو تو یہ شک کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، کہ کیسے اس روایت کو تبع تابعین میں سے "همّام بن یحیی" کے علاوہ کوئی راوی نقل نہیں کر رہا؟ اس بناء پر محدثین نے اس روایت کو منکر جانا اور اسے صحیح قرار نہیں دیا۔

یہاں تک تو بات اس صورت حال کے تناظر میں تھی کہ راویانِ حدیث کے مابین کسی بھی حدیث کی سند و متن میں کسی قسم کا اختلاف نہ پایا گیا ہو تو ایسی صورت میں تفرد کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

تاہم اگر راویان حدیث کے مابین کسی حدیث کی سند یا متن میں اختلاف پایا گیا تو یہاں پھر باحث کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے منبعِ اختلاف متعیّن کرتے ہوئے "مدار سند" کو متعیّن کرے، مثال کے طور پر کسی روایت کا مدار سند امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہو اور امام زہری رحمہ اللہ سے نقل کرنے والے اس کے شاگرد اس روایت کو مختلف طرق سے نقل کرتے پائے جائیں اور روایت کے کئی طرق سامنے آئیں مثلاً:

- **بعض اس روایت کو** "عن الزهري رَحِمَهُ ٱللَّهُ عن سعيد بن المسيب رَحِمَهُ ٱللَّهُ عن أبي هريرة رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ" سے نقل کریں۔
- **بعض دوسرے اسے** "عن الزهري رَحِمَهُ ٱللَّهُ عن سعيد رَحِمَهُ ٱللَّهُ عن النبي ﷺ" سے روایت کریں۔
- **بعض دیگر اس روایت کو** "عن الزهري رَحِمَهُ ٱللَّهُ عن سالم رَحِمَهُ ٱللَّهُ عن ابن عمر رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا عن النبي ﷺ" سے نقل کریں۔
- "جب کہ **بعض دیگر** اسے امام زہری رحمہ اللہ کا اپنا قول بتائیں"۔

اس تمام تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ مدار سند یہاں امام زہری رحمہ اللہ ہیں، جس سے روایت کرتے وقت اس کے شاگردوں کا آپس میں اختلاف واقع ہوا ہے، جب باحث کسی بھی سند یا متن میں اختلاف کے وقت مدارِ سند کو متعیّن کرلے تو اگلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اس مدار سند کے حالات کا جائزہ لے کہ کیا وہ ثقہ ہے یا نہیں؟

اگر مدارِ سند ثقہ ہو تو پھر اس سے روایت کرنے والے اس کے تلامذہ کے احوال کو دیکھا جائے گا، ممکن ہے ان میں سے کوئی راوی ضعیف ہو اور وہی اس مخالفت کا سبب ہو اور دیگر راویوں سے اختلاف کرکے سند یا متن میں کسی لفظ کی کمی یا زیادتی کا موجب بنا ہو۔ تو اگر اس مدار سند کے راویوں میں سے ایک ثقہ ہو اور باقی ضعفاء ہوں تو یہ تمام طرق ان ضعفاء کی بناء پر غلط نقل کئے گئے ہوں گے اور ان تمام طرق میں وہ طریق صحیح اور قابل ترجیح ہوگا جو کہ ثقہ راوی نے مدار سند سے روایت کیا ہو۔ اور اگر ثقہ کی جگہ راوی صدوق ہو تو اس کی روایت کو شاذ قرار دیا جائے گا۔

اختلاف سے مراد یہاں مخالفت حقیقی ہے یعنی وصل وارسال کا اختلاف ہو۔ اسی اگر راویوں کی اکثریت کسی ایک طریق کے نقل کرنے پر متفق ہو اور ایک یا دو راوی ان کی مخالفت کرتے ہوئے تفرد اختیار کریں تو ایسی صورت میں جماعت کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی خصوصًا اس وقت جب وہ ایک یا دو راوی باقی جماعت کے مقابلے میں درجہ میں بھی کم تر ہوں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باحث کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ان مختلف طرق میں سے کسی ایک طریق کو ترجیح دے سکے اور دوسری جانب کے راوی کی طرف وہم کا انتساب کرسکے، مثال کے طور پر حدیث کے تمام طرق منقولہ کے روایت کرنے والے بکثرت ہوں اور تمام کے تمام ثقہ راوی ہوں، تو کسی ایک طریق پر ثقات کی جماعت کا اتفاق اس بات سے باحث کو روکتا ہے کہ وہ اس جماعت کی طرف غلطی یا وہم کی نسبت کرے، اسی طرح اس کے مخالف طریق کی بھی یہی حالت ہو کہ اس کے روایت کرنے والے راوی جماعت کی شکل میں ہوں اور ثقہ بھی ہوں، تو اس صورت میں اس مدار سند کو دیکھا

جائے گا اگر وہ مدار سند ایسا امام ومحدث ہو کہ اس سے روایات کی ایک بڑی تعداد اس کے تلامذہ نے نقل کی ہو، تو یہاں اس بات کا احتمال ہو سکتا ہے کہ اس مدار سند سے اس کے شاگردوں نے مختلف طرق نقل کئے ہیں، اور تمام طرق ہی صحیح ہوں۔ کیونکہ وہ حافظ محدث ہے اور اس کے شیوخ بکثرت ہو سکتے ہیں۔ تو یہ تمام طرق اس مدار سند سے صحیح ہو سکتے ہیں۔

لیکن اگر وہ مدار سند جس سے اس کے تلامذہ نے سند ومتون کا اختلاف نقل کیا ہے وہ صدوق کے درجہ پر ہو اور اس کے حافظہ میں کسی قسم کا تغیر پایا گیا ہو، تو اس صورت میں نقاد محدثین اس اختلافِ طرق واسانید کو اس مدار سند کے ضبط وحفظ کے اضطراب پر دلیل مانتے ہیں۔

ایسی صورت میں اگر کوئی قرینہ مل جائے جس کی بناء پر ان مختلف طرق میں سے ایک طریق کو ترجیح دی جا سکے تو وہ راجح ہو گا، یا پھر باحث کے لئے یہ راستہ رہ جائے گا کہ وہ "هذا حديث مضطرب، لم يُعرف الصواب فيه" جیسا قول کہہ کر اس پر اضطراب کا حکم ثبت کر دے۔ تو اگر کسی قرینہ کی وجہ سے کسی ایک طریق کو ترجیح دی گئی تو اس پر حکم لگا دیا جائے گا اور اگر کوئی قرینہ نہ ملے تو اس روایت کو مضطرب قرار دیا جائے گا۔

یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروی ہے کہ اگر کتب العلل موجود نہ ہوتیں تو احادیث کے طرق کا استیعاب بالکل ممکن نہ ہوتا، لہٰذا کسی بھی حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے کے لئے کتب العلل کی طرف لازمی رجوع کرنا چاہیئے۔ اور ان کتب کے مؤلفین کا مذکورہ روایت کے بارے میں ہر قسم کے کلام کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے، کیونکہ کبھی کسی روایت میں کوئی علت خفیہ پائی جاتی ہے یا باحث سے کسی روایت کا کوئی طریق چھوٹ جاتا ہے تو کتب العلل کے مصنفین نے ضرور اسے نقل کیا ہو گا۔

اس ضمن میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کی کتاب العلل انتہائی اہمیت کی حامل شمار کی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ باحث کبھی کسی روایت کو مسند أبي ہريرة رضی اللہ عنہ میں تلاش کر رہا ہوتا ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے مسند ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ذکر کیا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مختلف طرق

میں سے کسی ایک طریق میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ذکر ہوتے ہیں اور یہی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی نقل کی ہوتی ہے، تو اس حدیث کے طرق کو وہ مسند ابن عمر رضی اللہ عنہما میں زیر بحث لاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مذکورہ حدیث کے تمام طرق کو ہر ممکنہ جگہ پر تلاش کیا جائے۔

اسی طرح بعض روایات کی تعلیلات کچھ کتب حدیثیہ میں بکھری پائی جاتی ہیں جیسا کہ کتب سنن، مسند بزار وغیرہ میں، جب کہ مسند بزار تعلیلات کے بیان کرنے میں ضخیم کتاب ہے۔ جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ویوجد في (مسند البزار) من التعلیلات ما لا یوجد في غیرہ"، اور یہ بات بالکل درست بھی ہے کیونکہ مسند بزار میں کئی ایسی تعلیلات پائی جاتی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتیں۔

## پانچواں مرحلہ: سند پر حکم لگانا

دراسہ اسانید کے مراحل میں سے پانچویں مرحلہ پر (راوی کے احوال کی مکمل بحث وتفتیش کے تمام اقدامات پورا ہونے کے بعد اور مدار سند سے راویان حدیث کے اختلاف واتفاق کو جانچنے کے بعد) کسی بھی حدیث کی سند پر حکم لگانے کا مرحلہ ہوتا ہے، اور سند پر حکم لگانا ہر سند کا انفرادی طور سے ہوتا ہے نہ کہ اس موضوع سے متعلق تمام اسانید کو جمع کر کے ان کی مجموعی حیثیت پر حکم لگانا۔

باحث ہر سند کو الگ مستقل حیثیت سے پرکھے گا اور اس موضوع کے دیگر طرق کو الگ الگ سے پرکھے گا اور ہر ایک پر الگ سے اس سند کے مطابق حکم لگائے گا، اس قسم کے حکم کی اہمیت آخر میں واضح ہوتی ہے، جس وقت باحث ان تمام طرق میں سے وہ اسانید الگ کرتا ہے کہ جو تقویت دے سکتی ہیں یا دیگر متابعات وشواہد کی بناء پر قوی ہو سکتی ہیں، اور یا نہ خود تقویت پکڑتی ہیں نہ ہی تقویت دیتی ہیں جیسا کہ ضعف شدید والے طرق واسانید۔

یہاں یہ بات باحث کے ذہن میں رہے کہ اس مقام پر قلت کی وجہ سے کثرت پر حکم لگتا اور فیصلہ ہوتا ہے، یعنی کسی بھی سند پر حکم لگاتے وقت کم مرتبہ ودرجہ والے ایک راوی کو یہ حیثیت حاصل ہوتی

ہے کہ وہ اونچے درجے کے راویوں کی کثرت کے باوجود اس سند پر حکم نافذ کرے، اس لحاظ سے اگر کسی سند میں تمام راوی ثقہ ہوں اور صرف ایک راوی اس میں ضعیف ہو تو ایسی سند کو ضعیف کہا جائے گا، (قلت یعنی ایک راوی جو کہ درجہ کے لحاظ سے کم تر تھا اس نے تمام ثقہ راویوں کی وثاقت کو کالعدم قرار دے دیا) اسی طرح اگر سند میں تمام راوی ائمہ حفاظ اور کبار محدثین ہوں جب کہ ایک راوی ''دجّال'' ہو، تو اس سند کا حکم ضعفِ شدید ہو گا، تو سند میں سب سے کم مرتبہ والے ایک راوی کو دیکھتے ہوئے اسی راوی کے درجے کے لحاظ سے اس سند پر حکم لگایا جائے گا۔

اسی طرح حدیث کی سند پر حکم لگانے کے اعتبار سے باحث کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ تخریج کا عمل ختم ہو گیا بلکہ اس کے بعد کے مراحل کی رعایت بھی رکھی جائے گی، جو کہ دیگر مراحل سے اہمیت کے لحاظ سے کافی مقدم ہیں جب کہ کئی محققین اس سے تغافل برتتے ہیں۔

## چھٹا مرحلہ: متابعات و شواہد اور گزشتہ تفصیل کو دیکھتے ہوئے حدیث پر حکم لگانا

دراسہ اسانید کا آخری اور اہم ترین مرحلہ پچھلے تمام مراحل کو مد نظر رکھ کر کسی بھی حدیث پر حکم لگانا جو کہ اس حدیث کے مناسب ہو، یہاں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس روایت کو تقویت دینے والے طرق کی طرف بھی توجہ ہونی چاہیے، کیونکہ کبھی باحث کسی ایک حدیث پر کوئی حکم لگاتا ہے جب کہ اسی حدیث کو دوسرے طرق و شواہد تقویت دے رہے ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں متقدمین علماء کا صحیح منہج یہی ہے کہ شواہد و متابعات کی بناء پر کسی بھی حدیث کو تقویت دی جا سکتی ہے، اس کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کی نصوص پیش کی جا سکتی ہیں کہ جن میں وہ حدیث مرسل کی تقویت کے لئے شواہد و متابعات پیش کرتے پائے گئے ہیں، اور مرسل ان کے مطابق حدیث ضعیف میں شمار ہوتی ہے۔

تقویت دینے والی روایت کبھی متابع ہوتی ہے اور اسی صحابی سے مروی ہوتی ہے جس سے یہ ضعیف حدیث روایت کی گئی ہوتی ہے اور کبھی تقویت دینے والی روایت کسی دوسرے صحابی سے بطور

"شاھد" نقل ہوتی ہے، یعنی دونوں روایات میں ایک ہی معنیٰ بیان ہوتا ہے، اسی طرح کبھی عام اہل علم کا فتویٰ بھی اس روایت کے مطابق ہوتا ہے یا اس حدیث کے مطابق انہوں نے عمل کیا ہوتا ہے تو یہ بھی تقویتِ حدیث میں شمار ہوتا ہے۔

ان تمام صورتوں کی موجودگی کے باوجود یہ ضروری بھی نہیں کہ شواہد و متابعات ضرور بالضرور کسی روایت کو تقویت دے دیں، بلکہ کبھی یہ تقویت کا باعث بنتی ہیں اور کبھی تقویت نہیں دے پاتیں، یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الرسالۃ" میں "لا وصیة لوارث" حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم اس روایت کے لئے صحیح سند نہیں پاتے، تاہم عام اہل سیر اس روایت کے بارے میں کسی قسم کا شک نہیں کرتے کہ یہ روایت نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی تھی۔

شیخ أحمد شاکر ان کی کتاب "الرسالۃ" پر اپنی تعلیقات میں بیان فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحیح اسانید موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علماء و محدثین کا یہ منہج رہا ہے کہ وہ عام اہل علم کے عمل کو دیکھتے ہوئے ضعیف حدیث کو تقویت دیتے ہیں، اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بھی صراحت فرمائی ہے۔

تو اگر کسی حدیث کی سند میں کسی قسم کا ضعف پایا جائے لیکن اہل علم اس حدیث کے مقتضیٰ کے مطابق علماء کا عمل پائیں (اجماع مراد نہیں) اور اس حدیث کے مخالف کسی کا عمل بھی نہ پایا جائے تو اس صورت میں یہ علماء کا عمل اس حدیث کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے، اور اسے قابل قبول قرار دیں گے بشرطیکہ یہ ضعفِ خفیف ہو، اور حدیث کا درجہ کے لحاظ سے اوپر ترقی کرنا ممکن ہو۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حدیث تقویت پکڑتی ہے اس کا ضعف خفیف ہوتا ہے، جب کہ ضعفِ شدید والی حدیث نہ تو خود تقویت پکڑتی ہے اور نہ ہی دوسری روایت کے لئے تقویت کا باعث بنتی ہے، اگرچہ اس کے سو طرق ہی کیوں نہ مروی ہوں۔

## تنبیہات :

**تنبیہ(1)**: یہاں ایک بات یادرکھنی چاہئے کہ کسی بھی باحث کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ صرف سند پر حکم لگانے پر اکتفاء کرے، تاہم اگرکسی حدیث کے بارے میں متقدمین ائمہ میں سے کسی نے حکم لگایا ہو اور باحث کا سند پر حکم اس امام کے حکم کے موافق ہو تو ایسی صورت میں باحث کے لئے ممکن ہے کہ وہ مطلوبہ حدیث پر بھی حکم لگادے۔

**تنبیہ(2)**: اسی طرح اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ علم حدیث (تخریج و دراستہ) دین کے ستونوں میں سے ہے لہٰذا اس پر عبور کے لئے مکمل طور سے احتیاط ضروری ہے اور اس بات کا گمان نہیں رکھنا چاہئے کہ کسی بھی راوی پر حکم لگانا کوئی سہل اور آسان کام ہے یا کسی بھی حدیث پر حکم لگانا آسان و سہل کام ہے۔

**تنبیہ(3)**: اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ جرح و تعدیل در حقیقت غیبت ہے، اگر اس غیبت کی ضرورت نہ ہوتی تو علماء کبھی اسے جائز قرار نہ دیتے اور نہ ہی اس پر راضی ہوتے، لیکن ضرورت بقدر ضرورت ہی مباح ہوتی ہے لہٰذا باحث کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف بقدر ضرورت ہی اس میں مبتلا ہو، اس بناء پر کسی بھی راوی کے بارے میں تمسخر اور استہزاء کا رویہ نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ اگر وہ راوی یا امام زندہ ہوتا تو کسی کے لئے بھی ممکن نہ تھا کہ اس کے بارے میں ایسے اقوال صادر کرتا پھرے۔

تو اگر کسی راوی میں حافظہ کی کمزوری کی بناء پر ضعف در آیا ہو تو جرح کے بیان کرتے وقت اس کی باقی صفات کو بھی بیان کیا جائے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ باحث کتب تراجم کی طرف مراجعت رکھے، تاکہ راویان حدیث کا صحیح حال واضح رہے اور ان کے احوال کے مطابق ان کا درجات کا تعین کیا جاسکے۔ جیسا کہ "شريك بن عبد الله" رحمہ اللہ اگرچہ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف ہیں لیکن وہ اہل سنت والجماعت کے کبار علماء میں سے شمار ہوتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انتہائی شیدائی

اور بدعات کے انتہائی مخالف تھے، تو ان کے ضعف کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر احوال کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ جب امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" کا درس دے رہے تھے، تو ایک عابد و زاہد ان کے پاس آئے اور کہا کہ اے أبو محمد! آپ ان لوگوں کے بارے میں کلام کر رہے ہیں جنہوں نے 200 سال قبل اپنا ٹھکانہ جنت میں بنا لیا تھا، یہ سن کر ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے درس روک دیا اور رونے لگے، جب کہ وہ اس علم (جرح وتعدیل) کے وجوب اور اہمیت سے بخوبی واقف تھے، کیونکہ اگر یہ علم نہ ہوتا تو سنت نبویہ میں سے اکثر حصہ ہم تک نہ پہنچتا اور دین کا ایک معتدبہ حصہ ضائع ہو چکا ہوتا۔

**تنبیہ(4):** اسی طرح کسی راوی پر حکم لگانا بھی بہت احتیاط کا متقاضی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "أعراض المسلمين حفرةٌ من حفر النار، وقف على شفيرها صنفان من الناس المحدِّثون والحكام"، کہ مسلمانوں کی عزت و احترام جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے جس کے کنارے پر دو قسم کے لوگ کھڑے ہوتے ہیں ایک محدثین اور دوسرے حکام۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص کسی بھی حدیث پر کلام کرتا ہے گویا کہ وہ جہنم کے گڑھے پر کھڑا ہے، اگر اللہ سبحانہ وتعالی اسے بچا لے۔

کیونکہ کسی ثقہ راوی کو ضعیف قرار دینا اس راوی کی تمام احادیث پر اس بات کا حکم لگانا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔ اور ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی وہ روایات اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے وحی کا حصہ ہیں۔ اسی طرح کسی بھی راوی پر توثیق کا حکم لگانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی احادیث کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور وہ احادیث وحی میں سے ہیں اور ان پر عمل کیا جائے۔

**تنبیہ(5):** یہ علم باحث سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ باحث اس کے لئے مکمل طور سے فارغ ہو اور اس میں مشغول ہو، ہر کس و ناکس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ احادیث کے بارے میں کلام کرتا

پھرے، اور نہ ہی اس شخص کے لئے مناسب ہے کہ وہ حدیث پر حکم لگائے جسے احادیث میں کسی قسم کا اشتغال ہی نصیب نہ ہو، بلکہ یہ متخصّص کا کام ہے اگر احادیث کے ساتھ کسی قسم کی بھی ممارست میں کمی واقع ہو جائے تو ان مباحث کی معرفت میں کمی آ جاتی ہے، کیونکہ احادیث کا علم ایک تجربہ ہے اور ممارست تامہ کے بغیر ممکن نہیں جس کی بناء پر احادیث کو چکھنے کی حس تیز ہو جاتی ہے اور صحیح وضعیف احادیث کی پہچان بخوبی ممکن ہوتی ہے۔

«سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ.»

سلسلۂ علومِ حدیثیہ

# علم التخریج ودراسة الأسانید

۲

رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا

SHAYKH ZAYED CENTER FOR ISLAMIC & ARABIC STUDIES UNIVERSITY OF PESHAWAR

شیخ زاید مرکزِ اسلامی جامعۂ پشاور